

# پیمانِ شب

اُردو غزلیات

از

پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

با ایمان و رضا

پیر سید غلام نظام الدین جامی گیلانی قادری  
سجادہ نشین دربار عالیہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف



# پیمانہ شش

## اُردو غزلیات

از

پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

با ایما و رضا

پیر سید غلام نظام الدین جامی گیلانی قادری  
سجادہ نشین دربار عالیہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف، E-11 اسلام آباد (پاکستان)

# جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں ©

نام کتاب	:	پیمان شب
نام مصنف	:	پیر سید نصیر الدین نصیرؒ
اشاعت	:	ششم
تعداد	:	1100
ترتیب	:	ڈاکٹر توصیف تبسم، اسلام آباد
	:	قاضی محمد بشیر الدین، ہری پور
کمپوزنگ و ڈیزائننگ	:	افتخار احمد (گولڈہ شریف) 0336-5255683
سرورق	:	محمد دانش نجم
ناشر	:	مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڈہ شریف
نگرانہ طباعت	:	عبدالقیوم گولڈوی، گولڈہ شریف
مطبع	:	حمزہ پرویز پرنٹنگ پریس، راولپنڈی (051-5521575)
ہدیہ	:	روپے
سن طباعت	:	ذوالحجہ 1432ھ بمطابق نومبر 2011ء

ISBN 969-8537-00-7

ملنے کا پتہ

طلوع مہر آڈیو ویڈیو لائبریری، مکتبہ مہریہ نصیریہ درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڈہ شریف  
سیکٹر E-11 گولڈہ شریف اسلام آباد، فون 051-2106464 / مکتبہ ضیاء القرآن، تنج بخش روڈ، لاہور

ویب سائٹ: www.pirnaseeruddin.com ای میل: mail@pirnaseeruddin.com

اُردو ادب کے نام

بر نمی آید بیاضِ چشمِ آهو از سواد  
صبحِ اقبالِ جنونم نشکند پیمانِ شب

بیدلؔ

ہم اے سیماب! وہ مسند نشینِ ملکِ معنیٰ ہیں  
ہمارا ذکر ہوتا ہے ادب سے، بادشاہوں میں

علامہ سیماب اکبر آبادیؒ

اس میں رچی بسی ہے مہک زلفِ یار کی  
ہے دل کی دھڑکنوں کی امیں آج بھی غزل  
مثلِ سحرِ لطیف تو ، مانندِ شبِ عمیق  
شعلہ کبھی ، صبا کبھی ، شبِ نیم کبھی غزل

حفیظ تائب ، لاہور

## تاریخِ نفس

سید نصیر الدین نصیر	حرفِ گفتنی
پیر سید ظفر قادری صاحب	نگینوں کی تلاش
جناب احمد ندیم قاسمی	پیمانِ شب کا ایک تاثر
جناب سید عبداللہ (مرحوم)	غزلیاتِ نصیر گولڑوی
جناب سید رئیس امر و ہوی (مرحوم)	تقریظ

## غزلیات

صفحہ نمبر	نمبر شمار
1	1
3	2
5	3
7	4
8	5
10	6
12	7
13	8
15	9
16	10
17	11
19	12
20	13
21	14
22	15



صفحہ نمبر		نمبر شمار
24	چھوڑ دو گے تم ہمیں دشمن کے بہکانے سے کیا	16
26	کچھ ایسا محال تو نہیں ہے	17
27	یہ مانا بے زباں ہوتے ہیں کانٹے	18
28	سمجھ میں آئی، پر برسوں رہے دھوکے میں ہم پہلے	19
30	دن سنانے تلاش کرتے ہو	20
31	پیمانِ وفا اور ہے سامانِ جفا اور	21
33	نہ آئے تجھ کو نظر، تو مگر اداس نہ ہو	22
35	نہیں پرواز کی طاقت، غنیمت ہیں مگر پھر بھی	23
38	بل ڈالنے جیسے پہ نہ خنجر نکال کے	24
40	حیران ہزاروں ہیں، پریشان ہزاروں	25
42	آگئیں چل کے ہو آئیں ترے دیوانے تک	26
45	ہر ادائیگوں ہے، سزا ہو جیسے	27
46	تو نے جو بخشے ہمیں اسبابِ غم اچھے لگے	28
48	پھرے ہیں اور پھر میں گے نہ حکیم یار سے ہم	29
50	ہم کسی کا گلا نہیں کرتے	30
51	رکھ دو جو اپنے ہاتھوں سے میت اُتار کے	31
53	لوگ نالاں ہیں جفا سے تیری	32
54	مرا سوال ہی اُن کا جواب تھا کیا تھا	33
55	اللہ اللہ! پس پردہ در کی صورت	34
58	بلایا اگر میں نے، آئیں گے کیا	35
60	چار تنکوں کا سہارا کچھ نہیں	36
61	راہوں سے تری گزر رہا ہوں	37
62	وہ کبھی خواب میں آئیں تو سہی	38
63	بے ہیں آپ مرے دل میں عمر بھر کے لئے	39
65	آپ میں ظلم کے انداز اب آنے تو لگے	40

صفحہ نمبر	نمبر شمار
67	41
69	42
71	43
73	44
74	45
75	46
76	47
77	48
79	49
81	50
83	51
84	52
86	53
88	54
90	55
91	56
93	57
95	58
96	59
98	60
100	61
102	62
103	63
104	64
106	65

صفحہ نمبر	نمبر شمار
107	عشق میں صبر کا گر نہ ہوا 66
108	حقیقت دیکھ لیں خود جوڑ کر تصویر کے ٹکڑے 67
110	گھر سے دل تھامے ہوئے کیا نکلے 68
111	یہ کام ہم نے جنوں میں کیا کیا، نہ کیا 69
113	اُن کی نظریں رازِ اُلفت پاگئیں 70
115	فراقِ غم ہے، وہ غم بھی اسے نہیں کہتے 71
117	کہتے ہیں کوئی مول نہیں دل کا، مگر ہے 72
118	اپنی گزری نہ کسی حال بھی آرام کے ساتھ 73
120	خلوصِ دل سے جو تُو ہم پہ مہرباں ہوتا 74
121	کوئی جائے طور پہ کس لئے کہاں اب وہ خوش نظری رہی 75
123	یلنے جُلنے سے انحراف کیا 76
124	جو کفن باندھ کے سر سے گزرے 77
125	نو گرفتارِ غمِ اُلفت ہوں اے ہمد! ابھی 78
127	یہ نظر کی زد ہے ظالم، مرا دم نکل نہ جائے 79
128	تم اک نگاہ کبھی دل پہ ڈال کر دیکھو 80
130	جم کے بیٹھیں کبھی، ایسی بھی ملاقات تو ہو 81
131	خوشی کی زباں میں گفتگو کرنی بھی آتی ہے 82
133	جو مہرباں تھا ستم گر ہوا، غضب کیا ہے 83
135	آگئے وہ میری چشمِ معتبر کے سامنے 84
137	وہ پھول ہوں کہ کھلا ہوں صبا کے رستے میں 85
139	جگمگانے لگی بام و در چاندنی 86
141	دل میں ارمان، قہر ہو جیسے 87
142	فیصلہ اُن کا، ہمارا، ہوگا 88
143	دل خوں ہو تو کیوں کر نہ لہو آنکھ سے بر سے 89
145	میں جو پہنچا تو برسنے لگے مجھ پر ٹکڑے 90

صفحہ نمبر		نمبر شمار
147	بس اتنی کامرانی چاہتا ہوں	91
148	اشتیاق دید تھا آخر ادھر جانا پڑا	92
150	دل اگر بے غبار ہو جائے	93
151	نہ ہوئے عیش و نشاط میں مجھے سیم و زر کی تلاش ہے	94
153	اُن سے ہر وقت مری آنکھ لڑی رہتی ہے	95
155	کھیجے! جو ستم رہ گئے ہیں	96
156	رہنے لگی وہ زلفِ گرہ گیر سامنے	97
158	لوٹ لیس وہ، دل حزیں! نہ کہیں	98
159	کانپ اُٹھتی ہیں شاخیں تو لرزتی ہے صبا بھی	99
161	محبت میں ہماری اشک افشانی نہیں جاتی	100
163	اُس کے کوچے کے کہاں تک کوئی چکر کاٹے	101
165	تجلی کا ایسا اثر کس لئے ہے	102
166	ہر اشارہ دشمنِ قلب و جگر لگنے لگا	103
168	بڑھ چلی دیوانگی، اپنے سے ہیں بیگانہ ہم	104
170	تو کہیں بدگماں نہ ہو جائے	105
171	جس طرف آپ کے پیکان نظر جاتے ہیں	106
173	دُعائے وصل اک پندار بھی ہے	107
174	سنگ در دست بھی دو چار تو مل جاتے ہیں	108
176	اک قدم حلقہٴ وحشت سے نکالا نہ گیا	109
177	اشکوں سے فضا بھگو گئے ہم	110
178	کسی کے حُسن پہ دل کو گنوا کے بیٹھا ہوں	111
180	کتنے سفاک مرے دل کہ یہ مہماں نکلے	112
182	جب اُن سے مری پہلی ملاقات ہوئی تھی	113
184	ہزاروں بارتیری انجمن میں، میں گیا آیا	114
186	کس تصور میں وہ کھو جاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے	115



صفحہ نمبر	نمبر شمار
188	116
189	117
191	118
192	119
193	120
195	121
197	122
199	123
201	124
203	125
204	126
206	127
208	128
210	129
211	130
213	131
215	132
216	133
218	134
220	135
222	136
224	137
226	138
228	139
230	140

صفحہ نمبر	نمبر شمار
232	یہ زمانہ یہ دور کچھ بھی نہیں 141
233	آج مل کر بھی اُن سے نہ کچھ بات کی 142
235	داغ ہیں دل میں، ہار پھولوں کا 143
236	جہاں دیدہ و دل اب لُٹا معلوم ہوتا ہے 144
238	بہار آئی، بہار آنے کے دن ہیں 145
239	اک حشر ہے اے دل! وہ ہوئے چیں بہ جنیں تو 146
241	مرنا جینا ایک ہے اُس بلبلی ناشاد کا 147
242	آغوشِ جنوں میں جا رہا ہوں 148
243	شعورِ غم ہے، مگر شکوہ ستم تو نہیں 149
245	مری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں مکیں سی 150
247	کھلی جو آنکھ، چمن تھا، نہ آشیانا تھا 151
249	پھینکی ہے فضا، رنگ نیا مانگ رہے ہیں 152
251	کام اُس کا نہ کسی ڈھب سے، نہ تیور سے چلا 153
253	یہ تمکنتِ حُسن کی بانی، نہیں رکتی 154
255	حُسن کو جب جلال آتا ہے 155
256	آہ میں یہ اثر چاہتا ہوں 156
257	پریشاں ہوں کیا بال و پر کے لئے 157
258	عجب ہے شبِ غم کے ماروں کی دُنیا 158
260	جب مسافر خوگرِ گردِ سفر ہو جائے گا 159
262	وعدہ ہو ہزار دوستی کا 160
263	سائل پہ کرم طراز ہو جا 161
264	دل کسی سے اٹک نہیں سکتا 162
265	تھیں ہوں پابندِ رسمِ ادب، کیا کہوں 163
267	بے وفائی کا گلہ، شکوہ بیداد نہیں 164
269	دوبُند اُن سے، رات ہو ہی گئی 165

صفحہ نمبر	نمبر شمار
270	166
272	167
273	168
274	169
276	170
277	171
278	172
279	173
281	174
283	175
284	176
285	177
287	178
289	179
291	180
292	181
294	182
296	183
297	184

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حرفِ گفتنی

پیمانِ شبِ میری اُردو غزلیات کا مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے ۱۹۸۲ء کے آغاز میں میری فارسی رباعیات کا مجموعہ آغوشِ حیرت اہلِ علم کی نگاہوں سے گزرا۔ اُن کا سپاس گزار ہوں کہ اُنہوں نے کھلے دل سے آغوشِ حیرت کی پذیرائی کی۔ جو میرے لئے باعثِ مسرت بنی۔ خیال تھا کہ فارسی زبان ملک سے ختم ہو چکی ہے؛ مگر قدر شناسوں اور ناقدینِ فن کی تعداد دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ جو زبان ہماری تہذیب و ثقافت کو توانائی بخشتی ہے اور ہمارے وجدان کے لئے پیامِ زندگی ہے۔ اُس کی طرف طبائعِ کارِ حجان، دل خوش کن انداز میں ہنوز باقی ہے۔ اس شیوہٴ قدر دانی اور ادائے اعتناء نے میری ڈھارس بندھائی اور فکر نے مولنا جاتی قدس سرہ السامی کے درج ذیل شعر کا سہارا لے کر اُردو غزلیات اہلِ دل اور اہلِ علم کی خدمت میں پیش کرنے کی ہمت بخشی ہے۔

بیا جاتی رہا کن شرمساری

ز صاف و دُرد پیش آر آنچہ داری



اُردو زبان سے میرے قلبی ربط اور موانست کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دس گیارہ برس کی عمر ہی سے مجھے شعرائے اردو کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد تھے۔ جنہیں میں دورانِ گفتگو مخاطب کے ذوق و استعداد کو دیکھتے ہوئے بر محل استعمال کیا کرتا تھا۔ حضرت بیڈل علیہ الرحمہ نے ذوق و شوق کو خالصتاً موہبت الہی قرار دیتے ہوئے کیا قرین حقیقت بات کہی ہے۔

رمز آشنائے معنی ہر خیرہ سر نہ باشد  
طبع سلیم فضل است ارثِ پدر نہ باشد

یعنی طبعِ سلیم محض فضلِ ایزدی ہے۔ یہ باپ دادا کی میراث نہیں، جسے باہم تقسیم کیا جاسکے۔

القلیل کالمعدوم ہی سہی، مگر جو معاملہ میرے ساتھ پیش آیا وہ محولہ بالا بیان کے بالکل برعکس ہے۔ مجھے ذوقِ علم و ادب ورثے میں ملا۔ پردادا حضرت پیر مر علی شاہ قدس سرہ، جدِ امجد حضرت سید غلام محی الدین المعروف (بابو جی) اور والد ماجد قبلہ پیر سید غلام معین الدین صاحب المتخلص مشتاق علیہم الرحمہ کا شعرو سخن سے لگاؤ باخبر احباب کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اس موروثی فیض کے علاوہ بھی یہ سمجھتا ہوں کہ اکابر امت اور اساتذہ سخن مولانا رومی، مولانا جامی، خواجہ حافظ شیرازی، شیخ سعدی شیرازی، طوطی ہندامیر خسرو اور میرزا عبدالقادر بیڈل ایسے نابغہ روزگار نفوس کے کلام نے میرے تو سن فکر کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ اگرچہ ان اکابر کے علو فکر اور عفت خیال کا جہان ہی کچھ اور ہے ع

چہ نسبت خاک رابا عالم پاک

تاہم محمد اللہ قدرت نے مجھے اس حجازی خم خانہ کے پاک نگاہ بادہ نوشوں کی  
خمار نواز آنکھوں سے کیف و مستی کی خیرات عطا کی ہے۔ لہذا

پچشم کم میں ہرگز نصیر درد سماں را  
کہ شام زندگی روشن تراز صبح الستش

مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ اساتذہ متقدمین نے محاورہ بندی، بیان کی  
ندرت، لب و لہجہ کی جادویت اور معنی آفرینی میں انتہائی مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔  
انہوں نے اپنی ماہرانہ چابک دستی اور اپنے استادانہ اندازِ اظہار سے اردو زبان کو کچھ  
سے کچھ بنا دیا۔ چنانچہ میر انیس کہتے ہیں۔

میری قدر کر اے زمینِ سخن!  
تجھے بات میں آسماں کر دیا

اگر وہ لوگ زبان کے محاورات اور ضرب الامثال کو دہلشین و مطبوع انداز  
میں محفوظ نہ کر لیتے تو آج خواص بھی رنگین اور دل نواز قسم کی اردو نہ بول سکتے اور  
زبان کے مزاج و عرفان سے بھی محروم رہتے۔ بلاشبہ ان اساتذہ نے اردو زبان کے  
اساسی محاسن کو ملحوظ رکھ کر اسے صدائے بے معنی بننے سے بچا لیا۔ اردو ادب ہمیشہ  
ان اساتذہ قدیم کا مرہونِ منت رہے گا اور قیامت تک اردو پر انہی کی چھاپ  
رہے گی۔

خطا معاف! آج کل جو اہل قلم زبان و بیان کے سلسلے میں اساتذہ اردو کے  
متفقہ اور مسلمہ اصولوں سے انحراف و اعراض کرتے ہوئے نظم و نثر لکھتے ہیں، ان  
کا پیرایہ اظہار ہیئتِ مجموعی کے اعتبار سے نہایت بے ڈھب اور غیر مانوس لگتا ہے۔

یہ حضرات غیر مستند اور خود ساختہ محاورات سے اپنے ہم مشرب معاصرین کو عارضی طور پر مرعوب کر کے وقتی داد و تحسین تو لے سکتے ہیں؛ مگر ان کی یہ بے راہ روی کسی روز نئی نسل کو تشکیک و ارتباب کے دلدل میں پھنسا دے گی۔

الفاظ کے انتخاب و استعمال، زبان کے لب و لہجہ اور محاورات کی اہمیت و مقام کو سمجھنے کے لئے آخری وحی الہی سے استناد از بس ضروری ہے۔ اس کلام مبارک میں عرب کی مروّجہ زبان استعمال ہوئی اور استعمال شدہ محاورات، ضرب الامثال، لب و لہجہ اور زبان و بیان کے تمام اصول عرب کے ہیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ان تمام امور سے ہٹ کر ایک بالکل جدید ڈکشن (انداز) کی طرح ڈال دی جاتی، جسے فصحاء عرب ایک مدت تک سیکھتے اور پھر خلاق عالم کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتے۔ لیکن اس صورت میں منکرین یہ کہہ سکتے تھے کہ وہ ہماری مروّجہ زبان نہیں۔ اس میں وہ الفاظ، محاورات، لب و لہجہ اور فصاحت و بلاغت موجود نہیں جو ہمارے ہاں پائی جاتی ہے۔ اگر قادرِ مطلق ہماری زبان کے مروّجہ اصول و مبادیات کو سامنے رکھتے ہوئے کلام نازل فرماتا تو ہم متوجہ بھی ہوتے۔ چنانچہ خداوندِ عالم نے باہمہ قدرت کاملہ ان کے تمام لسانی لوازم کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ اعلان فرمایا فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ (میری ایک نازل کردہ سورت کی مثل کوئی سورت کہہ کر لاؤ) خداوندِ علیم کو علم تھا کہ اس رعایت کے باوجود عرب کسی صورت میں میری نازل کردہ کسی سورت کا جواب نہیں لاسکتے۔ یا دوسرے لفظوں میں۔

یہ کہہ کر اُس نے آئینہ لگایا روزِ در میں  
کہ اپنا منہ تو دیکھیں میری صورت دیکھنے والے

حاصل کلام یہ کہ جب قادر مطلق نے ایک زبان کی پابندی کی ہے اور ایک روایت کو اپنایا ہے درآنحالیکہ وہ ہر پابندی اور روایت کی پیروی کرنے سے بے نیاز و منزہ ہے تو پھر ایک عہد عاجز کیوں کر کسی زبان کے بنیادی حقوق پورے کئے بغیر اُس کا ماہر اور استاد کہلانے کا استحقاق رکھ سکتا ہے۔

شعر بیان مسائل کے لئے نہیں ہوتا اور اگر کسی شعر میں جذبہ خالص کی آمیزش کے بغیر کوئی مسئلہ پیش کیا جائے تو وہ شعر خود ایک مسئلہ بن کر رہ جاتا ہے اور اس سے لطافت شعری مفقود ہو جاتی ہے۔ اہل فن نے شعر کی مختلف تعریفات کی ہیں۔ میرے نزدیک شعر کا بنیادی وصف یہ ہے کہ ذہن اُس سے ذوق حاصل کرے؛ خواہ اُس میں بیان کردہ مضمون کا تعلق معقولات سے ہو یا قصہ گل و بلبل سے، حُسن یار یا غم یار سے یا آج کل کے رجحان غالب کے مطابق غم روزگار سے۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں :-

گر عشقِ حقیقیست و گر عشقِ مجاز است

مقصود ازیں ہر دو مرا سوز و گداز است

بس یہی سوز و گداز اور یہی جاں نواز باطنی لطف شعر کا حقیقی مقصود ہے۔ رومی، عرفی، صائب تبریزی، غنی کاشمیری، میرزا عبدالقادر بیدل، غالب دہلوی اور شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں جا بجا دقیق مباحث اور فلسفیانہ مسائل بیان کئے ہیں اور دل و جاں کی تیز آنچ دے کر ان مضامین بلند سے ادبیات عالیہ کی تخلیق کی ہے۔ آیہ کریمہ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ کہ الہام کا نزول قلب پر ہوتا ہے؛ دوسرے



الفاظ میں دل سے نکلنے والی بات الہام کا درجہ رکھتی ہے۔

اساتذہ اردو میر تقی میر، انیس لکھنوی، مصحفی، خواجہ آتش، حضرت امیر  
میںاکی، استاد ذوق، غالب اور داغ دہلوی نے الفاظ و علامات کو آتش دل سے گزار کر  
کلام کو پُر تاثیر بنایا اور انہیں معنویت سے لبریز کر دیا۔ اب ان اساتذہ نے اردو زبان  
کو جو ورثہ عطا کیا ہے، اُسے نظر انداز کر کے کوئی شخص ارباب شعر و سخن کی صف  
میں شامل نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ ورثہ آنا فانا قبضے میں نہیں آجاتا؛ بلکہ اس کے  
لئے لگاتار محنت اور مسلسل مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی نے کیا خوب  
کہا۔

خود سے چل کر یہ نہیں طرز سخن آیا ہے

پاؤں استادوں کے دابے ہیں تو فن آیا ہے

حمد اللہ میں نے انہی اساتذہ سے اردو زبان سیکھی ہے اور ان کا پاس گزار  
ہوں؛ اسی باعث میرے اسلوب سخن میں ان اساتذہ متقدمین کے واضح اثرات  
موجود ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ جو اسلوب ان اثرات سے عاری ہے، وہ میرے  
نزدیک بے معنی اور بے حقیقت ہے۔ میری غزلیات میں اساتذہ قدیم کی روایتی  
علامات جام و سبو، پیمانہ و میخانہ اور رند و ساقی موجود ہیں، زاہد، واعظ اور سحر و زنا کا  
ذکر بھی ملتا ہے، یہ سب باتیں غزل کی دیرینہ روایت کی غمازی کرنے کی حد تک  
استعمال ہوئی ہیں۔ طنز ملیح، شکوہ طرازی اور شوخی شرارت غزل کی جان ہے، اگر  
ان سے صرف نظر کیا جائے تو غزل حدیث دلبراں نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں میری  
غزلیات میں نسبت سے متعلق اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ چونکہ میں ایک خانقاہ

کا فرد بھی ہوں، اس لئے نسبتوں کا یہ سلسلہ میرے کلام میں اکثر جھلکتا رہتا ہے اور جب خلوص ادبی تخلیقات کا بنیادی وصف شمار ہوتا ہے تو اس لحاظ سے دل کی دھڑکنوں اور قلبی کیفیات کو غزل سے دور نہیں رکھا جاسکتا۔

گولڑہ شریف میں اعراس کی تقریبات کے مواقع پر میری طرف سے مختصر و محدود مشاعروں کا اہتمام بھی ہوتا تھا اور ہر بار طرحی غزل کہنا پڑتی تھی۔ ایسی غزلوں میں نئے انداز میں شعر کہنے کی کوشش کی گئی ہے اور اگر کہیں اساتذہ اُردو کے کلام سے ملتا جلتا کوئی مصرع نظر آتا ہے تو وہ تواردِ محض ہے۔ اساتذہ کی نئی زمینوں میں قافیہ وردیف مزاج کی وقتی کیفیت کی انعکاسی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے غزل اپنے اندر یہی کیفیت رکھتی ہے؛ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ غزل کے تمام اشعار میں فکر اور کیفیت کی یکسانیت موجود ہو، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایک نشست میں پوری غزل کہنا امرِ محال ہوتا ہے اور پھر جب نئی نشست کا موقع آتا ہے تو ہوا کے جھونکے کی طرح سابقہ موڈ مفقود ہو چکا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غزل اپنی فطرت کے اعتبار سے بھی ایک شعر میں مکمل مضمون اور ایک نئی کیفیت مزاج رکھتی ہے؛ لیکن میری ایک مجبوری بھی ہے کہ جب فکر سخن میں مجھ پر محویت طاری ہوتی ہے تو احبابِ سلسلہ اچانک وارد ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ خانقاہ مرجعِ خلاق ہوتی ہے اور لوگ اپنے دکھ درد کی کہانیاں لے کر آتے ہیں؛ ایسے میں اُن کی طرف متوجہ نہ ہونا روایاتِ طریقت کے منافی متصور ہوتا ہے اور شعر گوئی نے تو درد مندی طبع اور لہنتِ مزاج میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ ملاقاتوں کے جانے کے بعد خیالات و افکار کے تار و پود کو دوبارہ جوڑنا اور فکر کو از سر نو مرتکز

کرنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے، اسی بنا پر میری غزل، خیالات اور کیفیات کی گونا گونی کا مظہر بن جاتی ہے خدا لگتی تو یہ ہے کہ ایسے ماحول میں میرا شعر کہہ لینا، موہبتِ ربانی اور تصرفِ رجالِ روحانی کے سوا کچھ نہیں۔

میں اشعار کا انتخاب قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ بعض احباب انتخاب کے سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہیں؛ مگر میں اس کے خلاف ہوں۔ کیوں کہ بسا اوقات جن اشعار کو شاعر اپنے کلام سے خارج کر دیتا ہے؛ وہی قارئین کو پسند ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اپنا یہ لطیف و بلیغ شعر اپنے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیا۔

موتی سمجھ کے شانِ کری می نے چن لیے

قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

ہر شخص کی پسند کا معیار جداگانہ ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ شاعر کو اپنا جو شعر پسند ہو وہی قارئین کے ذوق پر بھی تازیانے کا کام کرے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک میزبان دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چن دیتا ہے، لیکن مہمان وہی کھاتے ہیں، جو اُن کے کام و دہن کے انتخاب کی زد میں آتا ہے۔ اُنہیں میزبان کی ترجیحات کی جانب ہرگز التفات نہیں ہوتا۔ اشعار کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ قارئین اپنی ذہنی و قلبی افتاد کے مطابق اشعار چنتے ہیں اور اُن پر سر ڈھنتے ہیں۔ اب تک اسلوبِ جدید کے متعلق کچھ عرض نہیں کیا گیا۔ قدیم کے ساتھ رابطہ استوار کرنے کے بعد میری نگاہ شروع ہی سے جدید نگارشات کی طرف رہی ہے۔ بدلتے ہوئے تقاضوں کی وجہ سے زبان ہمیشہ اپنے دامن میں

وسعت پیدا کرتی ہے۔ جس کا احترام خواص و عوام کے لئے ضروری ہے۔ زبان میں ذخیرہ الفاظ اور تنوع اسالیب کے اعتبار سے آئے دن مستقل طور پر عمل ارتقاء جاری رہتا ہے، اس کی حیثیت روشنی اور تازہ ہوا کی ہے؛ جو ادیب و شاعر اس عمل کے صالح عناصر کی طرف متوجہ رہتے ہیں؛ اُن کے طرزِ تحریر میں ارتقاء پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے اس حقیقت کو ہمیشہ ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ اس لئے توقع ہے کہ ناقدین فن اس لحاظ سے بھی میری غزلیات قابلِ اعتناء پائیں گے۔

مزید ایک بات کہہ کر اپنا معروض ختم کرتا ہوں کہ گولڑہ شریف کے علاقہ میں پنجابی کا ایک خاص لہجہ مروج ہے؛ یہاں رہتے ہوئے لکھنؤ اور دلی کا محاورہ اُردو استعمال کرنا کارِ ہر دیوانہ نیست۔ یوں سمجھئے کہ اگر کوئی دھلوی یا لکھنوی شاعر پنجابی زبان میں ایسے شعر کہے کہ اُس پر بلھے شاہ، سلطان باہو، مصنفِ سیف الملوک میاں محمد بخش اور پیر فضل شاہ گجراتی ایسے اکابر پنجابی کے کلام کا گمان ہونے لگے تو اُس لکھنوی یا دھلوی شاعر کے حق میں رطب اللسان نہ ہونا بھی قرینِ دیانت و انصاف نہ ہوگا۔ ان معروضات کے بعد آخر میں حضرت بیدل قادریؒ کا یہ برجستہ و قرین مدعا شعر درج کر دینا مناسب لگتا ہے۔

بہ کلام بیدل اگر ری گنذر ز جادہ منصفی  
کہ کسے نمی طلبد ز تو صلہ دگر، مگر آفرین

فقیر نصیر الدین نصیر کان اللہ

14 نومبر 1982ء

گولڑہ شریف

اسلام آباد



از صاحبزادہ پیر سید ظفر قادری صاحب  
آستانہ عالیہ قادر بخش شریف (کمالیہ) ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

## نگینوں کی تلاش

کھلتا ہوا گورارنگ۔ کانوں کی لووں تک آتی ہوئی گھنگھریالی زلفیں۔ سلیقے سے  
ترشی ہوئی سیاہ داڑھی اور چشمے کے پیچھے سے جھانکتی ذہین، چمکدار اور  
خوبصورت آنکھیں۔ کتابوں میں گھرا ہوا ایک وجود۔ اپنے آگے پان دان دھرے،  
تہ بند باندھے سادہ فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا ایک سبک جسم۔ یہ ہے وہ تصور  
جو نصیر کا نام سنتے ہی ذہن کے پردے پر ابھرتا ہے۔

نصیر بھائی سے میری ملاقات ایک عرصے سے ہے۔ مگر پہلی ملاقات کا  
خوشگوار تاثر جو میرے احساسات میں اترتا تھا۔ آج تک اسی طرح قائم ہے۔ جب  
بھی ان سے ملاقات کا اتفاق ہوتا ہے۔ میں ان سے سادہ پان کھانے کی فرمائش کرتا  
ہوں۔ مگر یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔ کہ پان کھانے کی فرمائش تو ایک بہانہ  
ہے۔ مقصود ان کے پان دان کا ڈھکنا کھلوانا ہوتا ہے۔ جس کے کھلتے ہی شعر و سخن  
کے دریچے وا ہو جاتے ہیں اور وہ وہ پھول کھلتے ہیں کہ روح تک معطر

ہو جاتی ہے۔

نصیر الدین نصیر کے دادا جی حضرت سید غلام محی الدین قدس سرہ المعروف بابو جی جو اعلیٰ حضرت سید پیر مر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے بعد گولڑہ شریف کے رُوح رواں اور تصوف کے اُفق کا ایک روشن ستارہ تھے، راقم الحروف پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ میرا اُن سے تعلق خاطر جیسا اُن کی پاکیزہ زندگی میں تھا، آج بھی ہے اور عُمر بھر رہے گا۔ اُن کی باتیں اور ملاقاتیں ناقابل فراموش ہیں۔ میرے مہربان اور بزرگ دوست شورش کاشمیری مرحوم، اُستادِ محترم جناب احسان دانش اور میں کئی مرتبہ اکٹھے (بابو جی) کی محفل میں شریک ہوتے تھے۔ جو غذائے رُوح اور تسکینِ قلب اُن کے پاس بیٹھ کر ملتی تھی، آج اُس سے محرومی جاں گسل ہے۔

وہ ہستیاں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

جن لوگوں نے (بابو جی) کو دیکھا ہے یا جنہیں اُن کا قرب حاصل رہا ہے، میرے ساتھ یقیناً اتفاق کریں گے کہ نصیر کو دیکھتے ہی (بابو جی) کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھوں سے نصیر کی تربیت کی۔ جس کا ثمر آج ہمارے سامنے ہے۔ بیک وقت عربی، فارسی اور اُردو زبان پر یکساں عبور۔ پھر ان تینوں زبانوں میں شعر کہنے کا فن نصیر کی شخصیت کا نشان امتیاز ہے۔ اس نو عمری میں کلام کی پختگی قابلِ تحسین ہے۔ قدیم اساتذہ کا رنگ چھپائے نہیں چھپتا۔ ان کا فارسی کلام ایک کُنہ مشق اُستاد کا کلام لگتا ہے۔ کہیں حافظ شیراز محبت کی پر تیج گلیوں میں مستی کے جام لُنڈھاتا نظر آتا ہے تو کہیں جامی بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں عقیدت کے گجرے نچھاور کر تاد کھائی دیتا ہے۔

جب کبھی ہم ماضی کے آئینے میں جھانکتے ہیں تو برصغیر پاک و ہند میں صوفیا کے مکتب فکر کے تلامذہ کا ایک طویل قافلہ اپنے روشن روشن ناموں سے تاریخ کے صفحات کو متور کرتا نظر آتا ہے۔ حضرت امیر خسرو جیسے عظیم موسیقار، شاعر طرحدار، خواجہ میر درد جیسے درد مند قلم کار، بیدم وارثی جیسے نعت گو اور خواجہ حسن نظامی جیسے ادیب، غرضیکہ ایسے بہت سے نام ہیں جو اپنے سخن دلنواز سے خلق خدا کے دلوں کو گرماتے رہے۔ یہ سب حضرات صوفیوں ہی کے حلقہ بگوش تھے اور اسی مکتب فکر کا حصہ تھے؛ مگر آج جب زمانہ حال میں نظر ایسے نگینوں کی تلاش میں یہاں وہاں سفر کرتی ہے تو سوائے بے رنگ پتھروں کے کچھ نہیں پاتی۔ اس دور پر آشوب میں اگر کہیں سے تازہ ہوا کا ایک ہی جھونکا نصیب ہو جائے تو غنیمت ہے۔

وہ خانقاہی نظام جس نے اسلامیان پاک و ہند کو جادہ حق پر مضبوط قدموں سے چلنا سکھایا، آج اس کی اپنی چال میں لڑکھڑاہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ ان حالات میں جب نصیر جیسا جوان رعنا شعر و سخن کی وادیوں میں پھول کھلاتا اور علم تصوف کے بحر عمیق میں غوطے لگاتا نظر آتا ہے تو ٹوٹی آس بندھنے لگتی ہے اور اندر سے آواز آتی ہے۔ ع۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں یا پھر (اقبال) دروازہ دل پر دستک دیتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ

مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں

کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

ظفر قادری، لاہور

15 دسمبر 1982ء

از جناب احمد ندیم قاسمی

## پیمانِ شب کا ایک تاثر

سید نصیر الدین صاحب نصیر اردو اور فارسی کے ایک نوجوان شاعر ہیں اور دونوں زبانوں میں اُن کی سخن وری نے پورے ملک میں دُھوم مچا رکھی ہے۔ اس دُھوم کا سبب یہ نہیں ہے کہ سید صاحب گولڑہ شریف کے اُس آستانہ عالیہ سے متعلق ہیں جس کا ایک دُنیا احترام کرتی ہے۔ اس کا واحد سبب اُن کا پاکیزہ اور اعلیٰ ذوقِ شاعری ہے۔

فارسی اور اردو غزل، تصوف کی گود میں پلی بڑھی ہے۔ تصوف کی یہ روایت اتنی قدیم اور قوی ہے کہ یار لوگ خالصتاً مجاز کی شاعری کرنے والوں کے ہاں بھی حقیقت کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ اردو کی جدید غزل میں مسائلِ تصوف بہ ظاہر اس قدر مقبول نہیں رہے۔ مگر تصوف کی روایت ہمارے غزل گو شعراء کے خون میں زچھی بسی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ اس روایت سے چاہے شعوری طور پر کترائیں، کہیں نہ کہیں اُنہیں ذرے میں صحراء اور قطرے میں دریا دکھائی دے ہی جاتا ہے۔ کیا عجب سید نصیر الدین صاحب کی برکت سے پس منظر میں جاتی ہوئی یہ روایت پھر سے پیش منظر میں آجائے اور آئندہ نسل نصیر صاحب کے لہجے میں اس طرح کی شاعری کرنے لگے۔

دو عالم کے علاوہ کوئی عالم اور ہے شاید  
 ان آئینوں میں وہ آئینہ گر دیکھا نہیں جاتا  
 تصوف کی دلاویز کار فرما یوں کی ایک جھلک سید نصیر صاحب کے  
 ہاں دیکھئے۔

دو جہاں چھوڑ! دل میں ڈھونڈ اُسے  
 دیکھ! موجود ہو یہیں نہ کہیں  
 بے خودی میں نہ ہوئی ہم کو نصیر اپنی خبر  
 ہوش آیا، تو ہمیں جلوۂ جاناں نکلے

جلوۂ ذات سے جو خالی ہو  
 کوئی ایسا بشر نہیں ملتا

پھر جب اُن کے کلام میں حقیقت و مجاز گلے ملتے ہیں تو اس طرح کے  
 پھول کھلتے ہیں۔

وہ شوخ جب آیا تو پھر اس شان سے آیا  
 جو صاحبِ خانہ تھے، وہ مہماں نظر آئے

ایک نوجوان بھرپور شاعر کے ہاں عموماً جذبات کی فراوانی ہوتی ہے،  
 مگر میں سمجھتا ہوں کہ سید نصیر صاحب کے معاملے میں اُن کے جذبات پر قدیم  
 کلاسیکی لہجے اور غزل کی روایتی لفظیات کی نادرہ کاری نمایاں ہے۔ یہ جو ان کے ہاں  
 شیخ، زاہد، پارسا، ساقی، جام و سُبُو، میخانے اور پینے پلانے کے تذکرے عام ہیں تو  
 یہ سب غزل کی روایتی علامتیں ہیں۔ ساتھ ہی اس لئے دیئے رہنے والے طرز  
 اظہار میں اُن کے ماحول اور اُن کی تربیت کے اثرات بھی کار فرما ہیں۔ وہ خود

کہتے ہیں۔

نظارہٴ مہ و شاں سے پہلے  
تطہیرِ نگاہ چاہتا ہوں

”پیماںِ شب“ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس مجموعے کی بیشتر غزلوں کی زمینیں سید نصیر صاحب کی اپنی ہیں اور بعض کی ردیفیں تو ان کی ذہنی اُتچ کا ایک دلچسپ ثبوت ہیں۔ پھر یہ ردیفیں غریب ہونے کے باوجود ہر شعر میں ماہرانہ اور فن کارانہ سلیقے سے کھپی ہوئی ہیں۔

سید نصیر اس لحاظ سے بھی داد و ستائش کے مستحق ہیں۔ کہ فارسی شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے فارسی پر اپنی دسترس کو، اپنی اُردو غزلوں کے شاید کسی شعر پر مسلط ہونے دیا ہو جبکہ ابتدا میں مرزا غالب تک اس کمزوری کی زد میں آگئے تھے۔ اس لئے ان غزلوں کی سلاست اور ساتھ ہی بلاغت میرے نزدیک حیرت انگیز بھی ہے اور مسرت بخش بھی۔

احمد ندیم قاسمی

25 اکتوبر 1982ء

از جناب ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم

## غزلیاتِ نصیر گولڑوی

پیر سید نصیر الدین نصیر غزل کی کلاسیکی روایتوں میں پہلے ہوئے شاعر ہیں لہذا ان کی غزل سخن کی روایات کی پابند ہے۔ یہ روایت کیا تھی۔ ہماری مغرب زدہ سرسری تنقید تو اسے محض قصہ گل و بلبل اور افسانہ ہجر و وصال کہہ کر ٹال جاتی ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہ روایت ایک حیا دار اور وضع دار تہذیب کی ترجمان تھی، جس میں ایک نگاہِ دزدیدہ دلوں کے ہزاروں افسانے رقم کر سکتی تھی اور روایتوں کے شاعر کا کمال یہ تھا کہ ایما اور رمز کے ایک ہی لفظ یا استعارے کے ذریعے معانی کے ہزاروں جلووں کے گلزار سجا دیا کرتا تھا۔ طویل کلام کا جو عیب طرزِ جدید میں ہے، اس سے یہ شاعری پاک تھی۔ ضبطِ نفس اور ضبطِ بیان دونوں ہمرکاب چلتے تھے۔ اس میں نہ خندہ دندان نما تھا نہ گفتارِ بے باک۔ یہ تو کچھ ایسا ماجرا تھا جو میر تقی میر پر گزرا تھا۔

اک نگہ، ایک چشمک، ایک سخن

ہے مگر اس میں بھی تامل سا

وہ شاعری (یا غزل) جسے روایت کی غزل کہا جاتا ہے۔ اس میں شاعر کو تلمیذِ ربانی کا صحیح استحقاق حاصل کرنے کے لئے اساتذہ کبار کے طرزِ ادا، ان کی زبان، ان کا بیان، ان کے تیور، ان کا ایمائے خفی و جلی اور ان کی بلاغت و فصاحت



اُن کی صحبت میں یا اُن کے دواوین کے ذریعے حاصل کرنا پڑتی تھی تاکہ اُن کا لب و لہجہ حاصل ہو سکے اور کلام کے مقامات سے کامل آگاہی حاصل ہو سکے..... اور پھر قدرتی شاعر (تلمیذِ ربانی) اساتذہ کے محاورے میں اپنے منفرد احساسات کو بخوبی و خوش اسلوبی ڈھالنے پر قادر ہو سکے۔

الْحَمْدُ لِلّٰہ! کہ اس دورِ بے زبان و کج بیانی میں شاہ نصیر گولڑوی جیسے لوگ بھی جو تلمیذِ ربانی ہونے کے باوجود اساتذہ کبار کے کلام کے بحرِ موج میں غوطہ زن ہوئے اُن سے بیان کا لطف اور لب و لہجہ سیکھا اور پھر اُس میں فطرت کے گل و گلستان سجائے گئے۔

غزل کی شاعری میں حُسن آفرینی اور معنی آفرینی کا ایک وسیلہ ردیف کا انداز ہے۔ اس سے قدرتِ زبان کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ شعر میں بات بھی پیدا ہوتی ہے اور آواز و آہنگ کی لطافتیں بھی نمودار ہوتی ہیں۔ قدیم اساتذہ اس تکنیک میں خاص کمال حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

نصیر گولڑوی کی غزلیات میں بھی ردیفوں کی شان پائی جاتی ہے۔ خصوصاً لمبی ردیفوں میں نسبتاً بیان اور موسیقی دونوں برنگِ خاص نمایاں ہیں۔

نصیر الدین نصیر کے یہاں نکتے بکثرت ہیں۔ جن میں زندگی کی حقیقتوں اور قلبِ انسانی کی لطافتوں کو بہ اندازِ خوش پیش کیا گیا ہے۔ زبان کی شیرینی اور بیان کی خوبی اُس پر مستزاد ہے۔ عالم شباب میں کسی کی اتنی پختہ شاعری مین نے بہت کم دیکھی اور پڑھی ہے۔

فقط سید عبداللہ

2 اکتوبر 1982ء

از جناب سید رئیس امر و ہوی مرحوم

## تقریظ

سید نصیر الدین نصیر ایک ممتاز ترین روحانی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کی قلندری اور درویشی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ صاحبزادہ صاحب کی فارسی رباعیات کا مطالعہ کریں تو عالم ہی دوسرا نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے قلب میں مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کی آواز گونج رہی ہے اور ان کے لہجے میں بیدل ہی بول رہے ہیں۔

صاحبزادہ صاحب کی جو قلبی کیفیت ہے، اس کے پیش نظر بلکہ اسی کے زیر اثر وہ غزل کہتے ہیں۔ نہ ان کی زبان میں کوئی الجھاؤ ہے نہ طرز ادا میں کوئی پیچیدگی۔

آغوش جنوں میں جا رہا ہوں  
ہر غم سے نجات پا رہا ہوں  
وہ ناؤ مجھی کو لے کے ڈوبی  
جس ناؤ کا ناخدا رہا ہوں

یہ کیفیات قدرتی اور طبعی ہیں۔ ہر شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ عمد سخت کر بے، دکشکاش کا عمد ہے۔ اس عمد کا انسان عجب قسم کی تہائی اور روحانی خلا محسوس کر رہا ہے۔ اس روحانی خلا کی ترجمانی غزل میں طرح طرح ہو رہی ہے۔ لیکن اس ترجمانی کو جذباتی پیچیدگی کا ہمانہ نہیں بنانا چاہیے۔ آج کل بعض غزل گو

شعرا کے اشعار میں جو ابہام، جو سایہ نما کیفیت اور زندگی سے گریز کی جولا شعوری کوشش نظر آتی ہے، جدید غزل میں اس کا عکس واضح طور پر نمایاں ہے، لیکن اس طرح ہر شخص کا وجدانی تجربہ انفرادی اور شخصی ہو کر رہ گیا ہے اور ابلاغ و ارسال کی اس لطافت سے محروم ہے جو شعر کی اساسی خصوصیت ہے۔ کلام نصیر کی خوبی یہ ہے کہ وہ بلیغ ہے، تہ دار ہے اور واضح ہے۔ وہ صفائی سے محسوس کرتے ہیں، اسی دلربائی سے بیان کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

جان پیاری تھی، مگر جان سے پیارے تم تھے  
 جو کہا تم نے وہ مانا گیا، ٹالا نہ گیا  
 صرف اک بار نظر بھر کے انہیں دیکھا تھا  
 زندگی بھر مری آنکھوں کا اُجالا نہ گیا

محاوروں کے برمحل استعمال نے شعر کی برجستگی میں اور اضافہ کر دیا ہے۔

دل تمہاری طرف سے صاف کیا  
 جاؤ ہم نے تمہیں مُعاف کیا  
 جان کر اُن سے بے رُخی برتی  
 ہم نے اپنا حساب صاف کیا

بے شک مبداءِ فیض اور تجلیِ فیاض کے فیضان کے بغیر شعر نہیں کہے جاسکتے اور مبداءِ فیض ہی سے صدائے غیب پیدا ہوتی ہے اور صریرِ خامہ نوائے سروش بن جاتا ہے۔

چھوٹی محروں میں غزل کی نشتر آفرینی، عجب سماں، عجب لطف اور عجب عالم پیدا کر دیتی ہے۔ نصیر صاحب کی چھوٹی بحر کی غزلیں، ایک تیز رفتار جوہار کی

طرح ہیں جو تنگ کناروں کے فشار کے سبب نہایت تندی، تیزی اور سرشاری کے ساتھ بہتی ہے۔

راہوں سے تری گزر رہا ہوں  
انگاروں پہ پاؤں دھر رہا ہوں  
اور کیا عجب شعر ہے کہ۔

ہے مد نظر ترا تصور  
آئینے سے بات کر رہا ہوں

قوافی کا لطف دیدنی ہے۔

اُن سے ہر وقت مری آنکھ لڑی رہتی ہے  
کیا لڑا کا ہے کہ لڑنے پہ اڑی رہتی ہے  
جو کبھی خونِ شہیداں سے جنا بند رہے  
اب اُنہیں پھول سے ہاتھوں میں چھڑی رہتی ہے  
ایک اور طرح کا رنگ تغزل ملاحظہ ہو۔

لاکھ ڈھونڈا مگر نہیں ملتا  
کوئی بھی ہم سفر نہیں ملتا  
ہم بھی اُس سے کبھی نہیں ملتے  
کوئی ہم سے اگر نہیں ملتا

اسے سہل فہم کہتے ہیں، یعنی دیکھا جائے تو بہت آسان اور سادہ شعر معلوم ہو، اور کہنا پڑے تو آدمی بھونچکا رہ جائے۔ اس شعر میں الفاظ کی ترتیب وہی ہے جو نثر کے کسی فقرے کی ہوتی ہے۔ یہ زبان پر غیر معمولی قدرت کا ثبوت ہے۔

صاحبزادہ نصیر الدین نصیر کے جذبات اس قدر قدرتی، طبعی اور فطری ہیں کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا اُس کے دل کی بات کہی جا رہی ہے۔

اُس کو چل پھر کے ڈھونڈنے والو

وہ سرِ رگزر نہیں ملتا

کبھی کبھی خوبصورت ردیف کے استعمال نے پوری غزل کو تابناک کر

دیا ہے۔

جگمگانے لگی بام و در چاندنی

ہر طرف آرہی ہے نظر چاندنی

اُن کے جلووں کی تشریح ممکن نہیں

سر بہ سر نور ہیں سر بہ سر چاندنی

فرماتے ہیں اور کس لطف و لطافت سے فرماتے ہیں۔

بلا کی نامہ اعمال پر ہے گل کاری

کسی کی ہوگی عبارت، مرا قلم تو نہیں

ردیف کا ایک اور خوبصورت استعمال توجہ طلب ہے۔

یہ بزمِ بتاں ہے نظاروں کی دُنیا

اداؤں کی بستی اشاروں کی دُنیا

ہمیں ہے فقیری میں شاہی میسر

کہاں ہم، کہاں تاجداروں کی دُنیا

بلاشبہ پیرسید نصیر الدین نصیر سلمہ اللہ تعالیٰ کو فقیری میں تاجداری میسر

ہے۔ عجیب بات ہے کہ کسی زمانے میں خدامت درویشوں کے حجرے اور حق پرست

بزرگوں کی خانقاہیں، شعر و سخن، نکتہ سنجی و بذلہ طرازی، تخیل آفرینی اور معنی پڑوہی کے مدرسے سمجھے جاتے تھے۔ مولانا رومؒ سے لے کر حضرت مرزا عبدالقادر بیدل تک عرفاء کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس نے فارسی شاعری کو چار چاند لگا دیئے اور شعر کے پردے میں وہ نکات و رموز بیان کئے کہ ان کی تفسیر کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں، لیکن آج بالعموم ہم یہ بات نہیں پاتے، ”کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد“ خانقاہوں کی روحانی پڑمردگی کے اس افسردہ کن عالم میں صاحبزادہ موصوف کی ذات گراں مایہ سلامت رہے کہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں کو اپنے جواہر فکر و تخیل سے ثروت مند بنا رہے ہیں۔ ان کی غزل کا مجموعہ ”پیمان شب“ اپنی تازہ بیانی، تخیل کی طرفگی، جذبات کی نفاست اور احساسات کی لطافت کے سبب ان شاء اللہ ایک مقبول و دل پسند مجموعہ سخن ثابت ہوگا۔

رئیس امر و ہوی

3 اکتوبر 1982ء



ترے پند و نصیحت مُحتَسِب وہ کیا سمجھتے ہیں  
قیامت کو ، جو اُن کا وعدہ فردا سمجھتے ہیں  
نہیں ہے احتیاج لب کشائی زور و اُن کے  
کہ اہل دل ، زبانِ دیدہ بینا سمجھتے ہیں  
جو گل کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں رُخ گلشن  
وہ اربابِ نظر ، قطرے کو بھی دریا سمجھتے ہیں  
کوئی در پردہ کس سے چل رہا ہے کون سی چالیں  
سمجھ ہر چند ناقص ہے ، مگر اتنا سمجھتے ہیں  
نہ پوچھو کچھ کہ کیا کچھ دے دیا ہے دینے والے نے  
بڑا ہو لاکھ کوئی ، ہم کسی کو کیا سمجھتے ہیں  
بہ ظاہر خوش تھے جو کل تک ہماری گل فشانی پر  
وہ اپنے بھی ہمیں اب راہ کا کاٹنا سمجھتے ہیں



ترے دھوکے میں آنے کے نہیں ہم اے نفاق آرا!  
ترے برتاؤ کو ہم خوب اے دنیا! سمجھتے ہیں  
نظر اُن کی نہیں اُٹھتی نہ اُٹھے گی مری جانب  
کہ وہ میرے لبِ خاموش کا منشا سمجھتے ہیں  
جو نکلیں جستجو کا شوق لے کر راہِ جاناں میں  
وہ ہر منزل کو اپنے پاؤں کا چھالا سمجھتے ہیں  
قیامت سر پہ جو ٹوٹے، مصیبتِ دل پہ جو آئے  
حقیقت میں اُسے ہم مرضیِ مولیٰ سمجھتے ہیں  
لگا دی شہمتِ بادہ کشی اُن پر بھی واعظ نے  
نصیر اُن کی نظر کو جو مئے و مینا سمجھتے ہیں

---



ہمیں جب کہ اپنا بنا لیا تو ہے ربط کس لئے ہم سے کم  
 یہ حجاب کیا ، یہ گریز کیوں ، رہیں سامنے تو وہ کم سے کم  
 غمِ آرزو ، غمِ جستجو ، غمِ امتحاں ، غمِ جسم و جاں  
 مری زندگی کی بساط کیا ، مری زندگی تو ہے غم سے کم  
 یہ مقامِ ناز و نیاز ہے ، مرا دل ہی محرمِ راز ہے  
 وہ نوازتے ہیں بہ مصلحت ہمیں التفات و کرم سے کم  
 ترے آستاں کا فقیر ہوں ، مگر آپ اپنی نظیر ہوں  
 مری شانِ فقر جہان میں نہ ملے گی شوکتِ جم سے کم  
 یہ کہا گیا ، یہ سنا گیا ، یہ لکھا گیا ؛ یہ پڑھا گیا  
 نہ جفا ہوئی کبھی تم سے کم ، نہ وفا ہوئی کبھی ہم سے کم  
 وہی نسبتیں ، وہیں رفعتیں ، وہی رونقیں ، وہی عظمتیں  
 مرے دل میں جب سے وہ ہیں مکیں ، نہیں یہ مکاں بھی حرم سے کم

ترے ابروؤں کی حسین کماں ، نظر آ رہی ہے فلکِ نشاں  
 نہ کرشمہ قوسِ قزح سے کم ، نہ کششِ ہلال کے خم سے کم  
 نہ ستا مجھے ، نہ زلا مجھے ، نہیں اور تابِ جفا مجھے  
 کہ مری متاعِ شکیب ہے ، تری کائناتِ ستم سے کم  
 یہ کرم ہے کم سرِ انجمن کہ پلائی اُس نے مئے سخن  
 مجھے پاس اپنے بلا لیا ، رہی بات میری تو کم سے کم  
 نہیں جس میں تیری تجلیاں ، اُسے جا بختی ہے نظر کہاں  
 ترے نور کا نہ ظہور ہو تو وجود بھی ہے عدم سے کم  
 کبھی انعکاسِ جمال ہے ، کبھی عینِ شے کی مثال ہے  
 نہیں میرے دل کا معاملہ ، کسی آنے کے بھرم سے کم  
 مہ و آفتاب و نجوم سب ، ہیں ضیا فگن ، نہیں اس میں شک  
 ہے مسلم ان کی چمک دمک ، مگر اُن کے نقشِ قدم سے کم  
 یہی آرزو ، یہی مدعا ، کبھی وقت ہو تو سنیں ذرا  
 مری داستانِ حیاتِ غم جو لکھی گئی ہے قلم سے کم  
 یہ نصیرِ دفترِ راز ہے ، یہ غبارِ راہِ نیاز ہے  
 کریں اس پہ اہل جہاں یقین ، نہیں اس کا قول ، قسم سے کم



خاکِ پاؤں کی جہاں بھی کہیں پائی جائے  
دل یہ کہتا ہے کہ آنکھوں سے لگائی جائے  
اُن کی تصویرِ ستم کیوں نہ دکھائی جائے  
منظرِ عام پہ یہ شکل بھی لائی جائے  
شعلے اُٹھتے ہیں اگر دل میں، نہ آنسو رو کو  
آگ لگ جائے تو لازم ہے بُجھائی جائے  
اک نظر دید کی توفیق عطا ہو ہم کو  
کچھ نہ کچھ حُسن کی خیرات لٹائی جائے  
گفتگو شیشہ و ساغر کی عبث ہے ساقی !  
ہم وہ پیتے ہیں جو آنکھوں سے پلائی جائے  
بارہا کہہ تو چکے تم سے کہانی دل کی  
کیا ضروری ہے کہ تحریر میں لائی جائے

آپ کیوں دل کی تمناؤں کو پامال کریں  
رائگاں کیوں کسی مفلس کی کمائی جائے  
حُسن کیا شے ہے، ادا کیا ہے، وہ خود کیسے ہیں  
بات کُھل جائے گی، تصویر منگائی جائے  
قیس و فرہاد کے افسانوں میں کیا رکھا ہے  
داستاں میری مجھی کو نہ سنائی جائے  
مجھ سے کہتا ہے نصیر اب کے برس جوشِ جنوں  
کم سے کم، خاک بیاباں کی اُڑائی جائے

---



رنگ لائے شامِ فرقت اور بھی  
دل پہ ٹوٹے گی قیامت اور بھی  
آپ آئے ہیں تو بیٹھیں میرے پاس  
عشق میں ہم جس قدر گرتے گئے  
شیخ نے رندوں سے صلواتیں سنیں  
اُن کی باتیں، دل کی ہیں آئینہ دار  
ہاتھ میرے دل پہ رکھتے جائیے  
جس قدر وہ دُور ہم سے ہو گئے

ہے مجھے غم کی ضرورت اور بھی  
ہجر کے کچھ دن ہیں حضرت اور بھی  
اک ذرا تھوڑی سی زحمت اور بھی  
بڑھ گئی ہے قدر و قیمت اور بھی  
اس کی ہونی ہے بُری گت اور بھی  
کھل گئی ساری حقیقت اور بھی  
جاتے جاتے یہ عنایت اور بھی  
بڑھ گئی اُن سے محبت اور بھی

لے اڑا ذوقِ سخن ہم کو نصیر

ہو گئی دُنیا میں شہرت اور بھی



آتے نہیں، کہہ دیتے ہیں آنے کو یہاں، روز

مُر مَر کے جیا کرتے ہیں ہم دل زڈگاں روز

سچ کہتے ہو، کرتے ہو کرم تم مری جاں! روز

ہاں ہاں وہ مرا گھر ہے پہنچتے ہو جہاں روز

رُخ عارض و کاکُل کے نکھرتے ہیں وہاں روز

یعنی سحر و شام بدلتا ہے سماں روز

تکتے ہیں تری راہ، ہمارے دل و جاں روز

ہوتا ہے صبا پر تری آہٹ کا گماں روز

اچھی نہیں یہ چھیڑ نسیم سحری کی

کیا فائدہ، کھلتی ہے جو غنچوں کی زباں روز

کہتا ہوں، سُنو گے مری رُودادِ محبت

سُنتے نہیں اک بار، مگر کہتے ہیں ”ہاں“ روز



محفل میں تری غیر جو بیٹھا تو نہ اٹھا  
ہم اٹھتے ہیں، یا اٹھتا ہے آہوں کا دُھواں روز  
تا بر فلکِ حُسن رسیدی چو ہلالے  
گشتم ز فدایانِ تو اے ماہ! ”ازاں روز“  
شاید ابھی سجدوں کی ضرورت ہے جنوں کو  
صحرا سے مرے کان میں آتی ہے ازاں روز  
غیروں کی بُرائی کا گلہ ہوتا ہے مجھ سے  
چھڑتا ہے یہ قصہِ محدیثِ دگراں روز  
اک بار بھی آجائیں اگر آپ، بہت ہے  
ہر دن ہو ملاقات، کہاں آپ، کہاں روز  
تم اپنی جوانی کو نصیر اُن پہ لٹا دو  
جو عشق میں بوڑھا ہو، وہ ہوتا ہے جواں روز

---



اُٹھے نہ تھے ابھی ہم حالِ دل مٹانے کو  
زمانہ بیٹھ گیا حاشیے چڑھانے کو  
بھری بہار میں پہنچی خزاں مٹانے کو  
قدم اُٹھائے جو کلیوں نے مسکرانے کو  
جلایا آتشِ گل نے چمن میں ہر تنکا  
بہار پھونک گئی میرے آشیانے کو  
جمالِ بادہ و ساغر میں ہیں رُموز بہت  
مری نگاہ سے دیکھو شراب خانے کو  
قدم قدم پہ رُلایا ہمیں مقدر نے  
ہم اُن کے شہر میں آئے تھے مسکرانے کو  
نہ جانے اب وہ مجھے کیا جواب دیتے ہیں  
منا تو دی ہے اُنہیں داستاں ”مٹانے کو“

کہو کہ ہم سے رہیں دُور، حضرتِ واعظ  
بڑے کہیں کے یہ آئے سبق پڑھانے کو  
اب ایک جشنِ قیامت ہی اور باقی ہے  
اداؤں سے تو وہ بہلا چکے زمانے کو  
شبِ فراق نہ تم آسکے نہ موت آئی  
غموں نے گھیر لیا تھا غریب خانے کو  
نصیر! جن سے توقع تھی ساتھ دینے کی  
تِلے ہیں مجھ پہ وہی انگلیاں اٹھانے کو

---



دین سے دُور، نہ مذہب سے الگ بیٹھا ہوں  
تیری دہلیز پہ ہوں، سب سے الگ بیٹھا ہوں  
ڈھنگ کی بات کہے کوئی، تو بولوں میں بھی  
مطلبی ہوں، کسی مطلب سے الگ بیٹھا ہوں  
بزمِ احباب میں حاصل نہ ہوا چین مجھے  
مطمئن دل ہے بہت، جب سے الگ بیٹھا ہوں  
غیر سے دُور، مگر اُس کی نگاہوں کے قریں  
محفلِ یار میں اس ڈھب سے الگ بیٹھا ہوں  
یہی مسلک ہے مرا، اور یہی میرا مقام  
آج تک خواہشِ منصب سے الگ بیٹھا ہوں  
عمر کرتا ہوں بسر گوشہٴ تنہائی میں  
جب سے وہ روٹھ گئے، تب سے الگ بیٹھا ہوں  
میرا انداز نصیرِ اہلِ جہاں سے ہے جدا  
سب میں شامل ہوں، مگر سب سے الگ بیٹھا ہوں



سلسلہ ٹوٹے نہ ساقی ہوش اڑ جانے کے بعد  
مجھ کو ملتا ہی رہے پیمانہ، پیمانے کے بعد  
کھو دیا دُنیا میں جو کچھ تھا، تجھے پانے کے بعد  
جان سے جانا پڑا ہم کو، ترے آنے کے بعد  
تُو ہی تھا وہ شمع جس کی روشنی تھی ہر طرف  
رنگ محفل میں کہاں اب تیرے اُٹھ جانے کے بعد  
جاؤ بیٹھو چین سے میں کیا کہوں، تم کیا سنو  
اب پشیمانی سے کیا حاصل، ستم ڈھانے کے بعد  
اِس کا کیا کہنا ہے! زاہد کے ٹھکانے ہیں بہت  
یہ کسی مسجد میں جا بیٹھے گا، میخانے کے بعد  
شمع محفل روئے یا نہیں کر گزارے صبح تک  
کون اب جلنے یہاں آئے گا پروانے کے بعد

حُسنِ رخ کی اک جھلک نے کر دیئے اوسانِ گم  
ہوش آیا تو مگر اُن کے چلے جانے کے بعد  
سچ ہے کوئی بھی شریکِ درد و غم ہوتا نہیں  
ہو گئے احبابِ رخصت مجھ کو سمجھانے کے بعد  
اب تو کہتے ہو کہ جا! میری نظر سے دُور ہو  
تم منانے آؤ گے مجھ کو، مرے جانے کے بعد  
طائرِ دل! خال تو دیکھا، خیم گیسو بھی دیکھ  
دام بھی تجھ کو نظر آ جائے گا، دانے کے بعد  
وحشتِ دل کی بدولت ہم چلے آئے یہاں  
دیکھئے اب کونسی منزل ہے ویرانے کے بعد  
کون روتا ہے کسی کی خستہ حالی پر نصیر  
زیر لب ہنستی ہے دُنیا، میرے لُٹ جانے کے بعد



مطمئن کب حیات ہوتی ہے  
 جب ترے غم کی بات ہوتی ہے  
 دیکھئے، کس پہ ہو نگاہِ کرم  
 زندگی پر ہو اعتماد کے  
 معتبر نامہ بر بھی ہے، لیکن  
 جو گھڑی اُن کی یاد میں گزرے  
 ہر جگہ، ہر مقام، ہر دل میں  
 لاکھ محفل سجائیے، لیکن  
 تخلیہ ہو، تو اُن کے جلووں کی  
 پھر بنا لیں گے اشیاں، صیاد!

دن گزرتا ہے، رات ہوتی ہے  
 مضطرب کائنات ہوتی ہے  
 یہ مقدر کی بات ہوتی ہے  
 زندگی بے ثبات ہوتی ہے  
 اپنی بات اپنی بات ہوتی ہے  
 حاصلِ صد حیات ہوتی ہے  
 رونقِ حُسنِ ذات ہوتی ہے  
 آپ کی اور بات ہوتی ہے  
 اچھی خاصی برات ہوتی ہے  
 چار تنکوں کی بات ہوتی ہے

دیکھئے اب نصیر پر کس دن  
 نگہ التفات ہوتی ہے





باتِ اکِ سُنتے ، تو سو مجھ کو سُنا تے جاتے  
رُوٹھ جانے سے تو بہتر تھا کہ آتے جاتے  
کر دیا قتل تو میت بھی اُٹھاتے جاتے  
میری مٹی تو ٹھکانے وہ لگاتے جاتے  
وہ سرِ شامِ جُدا ہو گئے غمِ اس کا ہے  
خیر سے رات گئے نیند کے ماتے ، جاتے  
نہ سہی لُطف ، تو بیدارِ تبسم ہی سہی  
اور دیوانے کو دیوانہ بناتے جاتے  
وعدہ وصل بھی اکِ حرفِ تسلی نکلا  
میرا دل رکھنے کو ”ہاں“ کہہ گئے جاتے جاتے  
خود تو آسودہ افلاک ہیں تارے کیا کیا  
چین کی نیند مجھے بھی تو سُلاتے جاتے  
جانِ قربان کروں اُس رُخِ زیبا پہ نصیر  
اک جھلک مجھ کو نظر آئے جو آتے جاتے



نہ وہ اہتمام مئے کُنن ، نہ وہ میكدے کا نظام ہے  
نہ وہ رند ہیں ، نہ وہ ہاؤ ہو ، نہ وہ دور ہے ، نہ وہ جام ہے  
وہ ہے خوش نصیب جسے ملے ، مئے معرفت کا یہ جام ہے  
جو وہ خود پلائیں حلال ہے ، نہ پلائیں وہ ، تو حرام ہے  
ذرا دیکھ اپنے مریض کو کہ ہر اُس کی سانس میں آج بھی  
ترے انتظار کی ہے کسک ، تری یاد ہے ، ترا نام ہے  
کہوں کس سے قصّہ شوق میں ، نہ وہ ہمنا ، نہ وہ ہمزباں  
نہ وہ ہمسفر ، نہ وہ کارواں ، نہ وہ صبح ہے نہ وہ شام ہے  
چلی ایسی بادِ خزاں اثر ، کہ ہوں دامِ غم میں شکستہ پر  
نہ بُتوں کی دل میں ہے آرزو ، نہ وہ شوقِ جلوۂ بام ہے  
وہ نیاز و ناز کی محفلیں ، نہ وہ چاند ہے نہ وہ چاندنی  
نہ وہ رات ہے ، نہ وہ بات ہے ، نہ وہ حُسنِ ماہِ تمام ہے

نہ فراقِ یار کے مشغلے، نہ وہ بزمِ شوق کے ولولے  
نہ وہ سوزِ سینہ گداز ہے، نہ وہ آہِ برقِ خرام ہے  
یہ عجیبِ دور ہے رُونا کہ ادب کا پاس نہیں رہا  
نہ وہ اہلِ درد کی حُرمتیں، نہ وہ احترامِ مقام ہے  
کہوں میں بھلا، وہ بُرا کہیں، کروں میں وفا، وہ جفا کریں  
اُنہیں اپنے کام سے ہے غرض، مجھے اپنے کام سے کام ہے  
وہ ہزار کوئی جتن کرے، تری دسترس سے نہ بچ سکے  
تری زلفِ حلقہ بدوش ہے، تری آنکھ بادہ بہ جام ہے  
ترے سنگِ در پہ جو ہو ادا، وہی ایک سجدہ ہے کام کا  
یہی اک نماز ہے عشق کی جو بغیر شرطِ امام ہے  
میں نصیرِ فقر سرشت ہوں، کہ مریدِ ساقیِ چشت ہوں  
مجھے بادشاہوں سے کام کیا، اُنہیں دُور ہی سے سلام ہے



بکھشیں، نہ گواہ چاہتا ہوں  
 جب ختم ہو میرے سانس کی رو  
 نظارہٴ مہ و شاں سے پہلے  
 اوروں کے کرم مجھے گوارا  
 تکمیلِ وفا پہ ضد سے حاصل؟  
 اک تم، کہ چھڑا رہے ہو دامن  
 ہیں نقشِ قدم جہاں تمہارے  
 جو صرف مرے لئے اٹھی ہو  
 تو نے مجھے آج تک نہ چاہا  
 جس پر ترے قرب کا ہو آنچل  
 تم مجھ سے نباہ کیا کرو گے  
 ہو جس پہ نظر قلندروں کی  
 اب سلسلہٴ کرم نہ ٹوٹے

مجرم ہوں، پناہ چاہتا ہوں  
 تم کو سرِ راہ چاہتا ہوں  
 تطہیرِ نگاہ چاہتا ہوں  
 اپنوں سے پناہ چاہتا ہوں  
 کیوں خود کو تباہ چاہتا ہوں  
 اک میں، کہ نباہ چاہتا ہوں  
 تاروں میں وہ راہ چاہتا ہوں  
 وہ ایک نگاہ چاہتا ہوں  
 پھر بھی تجھے آہ! چاہتا ہوں  
 وہ شامِ سیاہ چاہتا ہوں  
 میں تم سے نباہ چاہتا ہوں  
 سر پر وہ کلاہ چاہتا ہوں  
 بس ربطِ نگاہ چاہتا ہوں

اور ان سے نصیر کیا کہوں میں

دامن میں پناہ چاہتا ہوں



غمِ ہجراں کی ترے پاس دوا ہے کہ نہیں  
جاں بلب ہے ترا بیمار، سنا ہے کہ نہیں  
وہ جو آیا تھا، تو دل لے کے گیا ہے کہ نہیں  
جھانک لے سینے میں کم بخت ذرا، ہے کہ نہیں  
مخمسے میں تری آہٹ نے مجھے ڈال دیا  
یہ مرے دل کے دھڑکنے کی صدا ہے کہ نہیں  
سامنے آنا، گزر جانا، تغافل کرنا  
کیا یہ دنیا میں قیامت کی سزا ہے کہ نہیں  
اہلِ دل نے اُسے ڈھونڈا، اُسے محسوس کیا  
سوچتے ہی رہے کچھ لوگ، خدا ہے، کہ نہیں  
تم تو ناحق مری باتوں کا بُرا مان گئے  
میں نے جو کچھ بھی کہا تم سے، بجا ہے کہ نہیں؟  
آبرو جائے نہ اشکوں کی روانی سے نصیر  
سوچتا ہوں، یہ محبت میں روا ہے کہ نہیں



اب تو پچائے مجھ کو خدا ہی  
حُسن کے جلوے، عشق کے چرچے  
جلوۂ رُخ ہے پر تو رحمت  
راہِ وفا میں کون کسی کا  
مجھ کو سنبھالیں آپ خدا را  
دل کی لگی پھر شعلہ فگن ہے  
چھوڑ کر اُن کے شہر کی گلیاں  
اُن کا تبسم ، میری تباہی  
میری وفا کی دیں گے گواہی  
سایہ گیسوِ ظِلِّ الہی  
عشق ہی منزل، عشق ہی راہی  
چاہے سمجھ لیں مجھ کو بُرا ہی  
آنچ نہ آئے اُن پہ ، الہی !  
کون پھرے اب واہی تباہی

میں ہوں نصیر اب اُن کا گداگر

بیٹھے بٹھائے مل گئی شاہی



آج اک اک بادہ کش مسرور میخانے میں ہے

تازہ تازہ اس کے، اُس کے، سب کے پیمانے میں ہے

شیخ جل اُٹھے گا تو! وہ شعلہ میخانے میں ہے

مے نہیں یہ، اک دکھتی آگ پیمانے میں ہے

اپنا دیوانہ بنا لیتا ہے ساری خلق کو

اک ادائے خاص ایسی اُن کے دیوانے میں ہے

دیر بوتل کے اُٹھانے میں لگے گی کچھ نہ کچھ

مجھ کو اتنی ہی بہت ہے جتنی پیمانے میں ہے

میکدے میں آنے والو! میکدہ مت چھوڑنا

مرنے جینے کا مزا کچھ ہے، تو میخانے میں ہے

پی رہا ہوں، جی رہا ہوں، شاد ہوں، مسرور ہوں

زندگی ہی زندگی لبریز پیمانے میں ہے

دل کی بے کیفی کا یہ عالم ہوا بعدِ جنوں  
لطف جینے کا نہ گلشن میں، نہ ویرانے میں ہے  
دھیان ہے آہٹ پہ، حسرتِ دل میں ہے، آنکھوں میں دم  
ہم چلے دنیا سے، اُن کو دیر اگر آنے میں ہے  
جاگ اٹھی قسمت، مقدر جگمگا اٹھا نصیر  
جلوہ فرما آج کوئی میرے کا شانے میں ہے

---





چھوڑ دو گے تم ہمیں دشمن کے بھکانے سے کیا

یوں تمہیں مل جائے گا، اپنوں کو تڑپانے سے کیا

لاکھ سمجھاؤ مگر ہوتا ہے سمجھانے سے کیا

ہوش کی باتیں کرو، الجھو گے دیوانے سے کیا؟

آپ کی باتیں سنیں واعظ! مگر مانیں نہیں

چوٹ کھاتا، آپ جیسے جانے پہچانے سے کیا؟

رقص کے عالم میں ہو جیسے یہ سارا میکدہ

آنکھ ساقی نے ملا رکھی ہے پیمانے سے کیا؟

خیر، ہم نے مان لی جو بات بھی تم نے کہی

تم کہو، تم کو ملا جھوٹی قسم کھانے سے کیا؟

سامنے جب آگئے کیسی حیا، کیسا حجاب

فائدہ اب منہ چھپانے اور شرمانے سے کیا

دیکھ زاہد! بادۂ سرجوش کے چھینٹے نہ ہوں  
تیرے دامن پر ہیں یہ تسبیح کے ”دانے سے“ کیا  
ترکِ اُلفت، اور پھر اُلفت بھی اُس بے مثل کی  
میں بہک جاؤں گا واعظ! تیرے بہکانے سے کیا؟  
آگ میں اپنی جلا کر خاک کر ڈالا اُسے  
شمع! آخر دشمنی ایسی بھی پروانے سے کیا  
چارہ سازو! کیوں دوا کرتے ہو، مَر جانے بھی دو  
بزم ہو جائے گی سُونی میرے اُٹھ جانے سے کیا؟  
مے کشی لازم نہیں ہے بزمِ ساقی میں نصیر  
کام جب آنکھوں سے چل جائے تو پیمانے سے کیا

---



کچھ ایسا محال تو نہیں ہے  
دل لے کے بدل گئے نگاہیں  
بے وجہ وہ مہرباں ہے کیوں کر  
شکوہ کروں بے وفاؤں کا  
فرقت کا جواب ، ہمنشین  
ہر بات کو کل پہ ٹالتے ہو  
کیوں کرتے ہو خون آرزو کا  
اس درجہ نہ ہو ستم پہ نازاں

دیدار ، وصال تو نہیں ہے  
یہ مفت کا مال تو نہیں ہے  
دیکھو! کوئی چال تو نہیں ہے  
میری یہ مجال تو نہیں ہے  
عزت کا سوال تو نہیں ہے  
وعدہ ہے ، وبال تو نہیں ہے  
تم پر یہ حلال تو نہیں ہے  
یہ کوئی کمال تو نہیں ہے

دیکھو تو نصیرِ دل کی جانب  
گڈڑی میں یہ لال تو نہیں ہے



یہ مانا بے زباں ہوتے ہیں کانٹے      مگر آزارِ جاں ہوتے ہیں کانٹے  
 گلوں سے راہ و رسم اچھی نہیں ہے      رگِ گل میں نماں ہوتے ہیں کانٹے  
 محبت کی عجب اٹھکیلیاں ہیں      دلوں کے درمیاں ہوتے ہیں کانٹے  
 سنبھلنا، اے چمن کے رہنے والو!      شریکِ آشیاں ہوتے ہیں کانٹے  
 بیاں کوئی کرے کیا ان کی فطرت      خود اپنی داستاں ہوتے ہیں کانٹے  
 وہ صحرا تھا، خلش کوئی نہیں تھی      یہ گلشن ہے، یہاں ہوتے ہیں کانٹے  
 چلے تھے جو گلوں سے عشق کرنے      انہیں اب کیوں گراں ہوتے ہیں کانٹے  
 مراد امن ہے یہ، جھٹکو اسے تم      یہیں پل کر جواں ہوتے ہیں کانٹے  
 چبھن کچھ اور بڑھ جاتی ہے ان کی      کہاں صرف خزاں ہوتے ہیں کانٹے

سکوں پائیں نصیر اہل چمن کیا

جہاں جائیں، وہاں ہوتے ہیں کانٹے



سمجھ آئی مگر برسوں رہے دھوکے میں ہم پہلے  
 ادب گاہِ حرم سے بٹکدہ تھا دو قدم پہلے  
 غضب ہے یوں ترا پلکیں جھپکتے ہی بدل جانا  
 ستم ہونے لگا اُن پر کہ تھا جن پر کرم پہلے  
 حیا کہیے کہ ضد، دونوں طرف سے ٹھن گئی ایسی  
 قدم اپنا اٹھائیں گے نہ وہ پہلے، نہ ہم پہلے  
 ہمارا کیا ہے، تیرے ساتھ تھوڑی ہم بھی پی لیں گے  
 خدا کا نام لے کر جام اٹھا شیخِ حرم! پہلے  
 ترے آنے سے پہلے ہی بچھاتے راہ میں آنکھیں  
 خبر آمد کی دینا چاہیے تھی کم سے کم پہلے  
 بقا کی جستجو ہے تو فنا کر اپنی ہستی کو  
 کہ ہست و بودِ عالم سے ہے دنیائے عدم پہلے

مری تقدیر کے بل کا نکلنا بعد میں ہو گا  
ذرا سیدھے تو ہو لیں یہ تری زلفوں کے خم پہلے  
جدائی کے تصور سے بھر آئے اشک آنکھوں میں  
چلے جانا ، ٹھہرنے دو ذرا سیلابِ غم پہلے  
جنابِ شیخ کی درپردہ بندی کا بھی کیا کہنا  
پہنچ جاتے ہیں اکثر میکدے میں محترم پہلے  
چلے ہیں کوئے جاناں کی طرف ہم بھی پسِ قاصد  
نصیر اب دیکھتے ہیں ، وہ پہنچتا ہے کہ ہم پہلے

---



دن سمانے تلاش کرتے ہو  
خود مٹائے ہمارے قلب و جگر  
عشق برحق ، وفا حقیقت ہے  
وہ پلٹ کر کبھی نہ آئیں گے  
یہ قفس ہے ، چمن نہیں یارو!  
میرے قلب و جگر کی خیر نہیں  
اُس کو ڈھونڈو یہیں کہیں دل میں  
اُن کے کوچے کی خاک ہے اکسیر  
مست آنکھوں سے کیوں نہیں پیتے  
صاف کہہ دو اگر نہیں ملنا

گم خزانے تلاش کرتے ہو  
اب ٹھکانے تلاش کرتے ہو  
تم فسانے تلاش کرتے ہو  
جو زمانے ، تلاش کرتے ہو  
آشیانے تلاش کرتے ہو  
تم نشانے تلاش کرتے ہو  
بے ٹھکانے ، تلاش کرتے ہو  
کیوں خزانے تلاش کرتے ہو  
بادہ خانے تلاش کرتے ہو  
کیوں بہانے تلاش کرتے ہو

سب نئے رنگ ڈھونڈتے ہیں نصیر

تم پرانے تلاش کرتے ہو



پیمانِ وفا اور ہے سامانِ جفا اور  
اُس فتنہِ ذوراں نے کہا اور ، کیا اور  
تیور الگ ، اندازِ جدا ، اُن کی ادا اور  
وہ اور ہوا میں ہیں ، زمانے کی ہوا اور  
ترکیب کوئی اُن کو منانے کی ہو کیا اور  
میں جتنا مناتا ہوں ، وہ ہوتے ہیں خفا اور  
پی لیں جو کبھی شیخ تو پی پی کے پکاریں  
اے ساقی میخانہ! ذرا اور ، ذرا اور  
محروم ہوا دین سے ، دنیا کی طلب میں  
نا فہم نے کچھ اور ہی سوچا تھا ، ہوا اور  
پھولوں کی وہاں دُھوپ ، یہاں سایہ وحشت  
گلشن کی فضا اور ہے ، صحرا کی فضا اور



انصاف ملے گا سرِ میدانِ قیامت  
اُن کا نہ خدا اور ، نہ میرا ہی خدا اور  
دیکھیں تو ذرا ہم بھی اُسے ، اے ہمہ خوبی!  
ہم جیسا وفادار کوئی ڈھونڈ کے لا! اور  
چھوڑیں نہ محبت کو نصیرِ اہلِ محبت  
یہ شوقِ خطا ہے ، تو خطا اور خطا اور

---



نہ آئے تجھ کو نظر ، تو مگر اُداس نہ ہو  
تلاش کر ، وہ یہیں تیرے اُس پاس نہ ہو  
مجھے یقین نہیں ، اُس کو تیرا پاس نہ ہو  
ترا گمان نہ ہو ، یہ ترا قیاس نہ ہو  
وہ اور کیا کرے آخر ، اگر اُداس نہ ہو  
بغیر عشق نہ چین آئے ، عشق راس نہ ہو  
یہ کس کو لوگ لیے جارہے ہیں کاندھوں پر  
کہیں یہ شخص تمہارا وفا شناس نہ ہو  
پچھڑنے والوں کو اک دن خدا ملاتا ہے  
تجھے ہماری قسم ، اس قدر اُداس نہ ہو  
یہ بندگی ہے ، کہ ہر حال میں ہو شکر اُس کا  
ہزار کچھ ہو ، مگر کوئی ناسپاس نہ ہو

وہ ماجرا جو ہے مجنوں کے نام سے مشہور

کہیں ہمارے فسانے کا اقتباس نہ ہو

ضیائے علم و ہنر سے ہے آبروئے بشر

یہ روشنی تو ہو ، اُجلا اگر لباس نہ ہو

مزا تو جب ہے کہ ہو بات بات قند و نبات

وہ بات زہر ہے جس بات میں مٹھاس نہ ہو

ہے ایک طنز کا نشتر ، دُعائے عمرِ دراز

اُس ایک شخص کو ، جینے کی جس کو آس نہ ہو

نصیر کھیل نہیں ہے شعورِ ذات و صفات

خدا شناس کہاں وہ ، جو خود شناس نہ ہو



نہیں پرواز کی طاقت ، غنیمت ہیں مگر پھر بھی  
ہمارے کام آتے ہیں ہمارے بال و پر پھر بھی  
کیا وعدہ مگر آیا نہیں وہ رات بھر پھر بھی  
اُسی کی رہ گزر تکتے رہے ہم تا سحر پھر بھی  
چئے تسکینِ خاطر لاکھ حیلے ہوں ، وسیلے ہوں  
نہیں ہوتا سکونِ دل میسر ، عمر بھر پھر بھی  
جو اُن کے دل میں ہے نوکِ زباں پر وہ نہیں لاتے  
بُہت کچھ کہہ رہا ہے اُن کا اندازِ نظر پھر بھی  
یہ مانا خط میں سب کچھ لکھ دیا تفصیل سے ہم نے  
زبانی کچھ ہمارا حال کہنا نامہ بر! پھر بھی  
حسینانِ جہاں سفاک بھی ہیں ، سنگِ دل بھی ہیں  
نہ ہو ڈرنے کی کوئی بات ، لیکن ان سے ڈر پھر بھی

وطن سے دُور آسائش کسی کو مل نہیں سکتی  
خدا لگتی تو یہ ہے، اپنا گھر ہے اپنا گھر پھر بھی  
پے جاتا ہوں، لیکن تشنگی تا حال باقی ہے  
ترے قربان ساقی! اک ذرا زحمت ادھر پھر بھی  
لٹا بیٹھے ہزاروں قافلے منزل کی راہوں میں  
نہ باز آئے جنونِ رہبری سے راہبر پھر بھی  
وہ اک تم ہو کہ تم نے عہد و پیمان توڑ ڈالے ہیں  
یہ اک ہم ہیں، اڑے بیٹھے ہیں اپنی بات پر پھر بھی  
شبِ غم چاند چھپ جائے گا، تارے ڈوب جائیں گے  
نہ ہوگی رونما میری اُمیدوں کی سحر پھر بھی  
ہمارا کام ہے اچھی بڑی ہر بات سمجھانا  
یہ اُن کا اپنا ذمہ ہے نہ سمجھیں وہ اگر پھر بھی  
ہمیں پر منحصر کیا ہے ہم اُٹھتے ہیں تو اُٹھ جائیں  
رہے گا سجدہ گاہِ شوق اُن کا سنب در پھر بھی

بہ اندازِ مسیحا کی وہ اپنا ہاتھ رکھے ہیں  
نہیں معلوم، کیوں تھمتا نہیں دردِ جگر پھر بھی  
یقین آہی گیا آخر انہیں دشمن کی باتوں کا  
بہت کچھ ہم نے سمجھایا، نہ سمجھے وہ مگر پھر بھی  
علاجِ زخمِ دل ممکن نہیں ان کم نگاہوں سے  
نصیرِ الجبے ہوئے ہیں اپنی ضد میں چارہ گر پھر بھی

---



بل ڈالئے جبیں پہ نہ خنجر نکال کے  
اتنے جواب، اور مرے اک سوال کے؟  
قربان جاؤں آپ کی اس چال ڈھال کے  
آتے ہی چل دیئے مجھے الجھن میں ڈال کے  
صدقے میں اس کرم کے، تصدق خیال کے  
وعدے تو بار بار کئے ہیں وصال کے  
پھر بھی مری وفا کا یقین تو نہیں کیا  
دل رکھ دیا تھا سامنے اُس کے، نکال کے  
یہ خار زارِ دشتِ جنوں ہے ذرا سنبھل  
اس راہ سے گزر بھی تو دامن سنبھال کے  
گیسو کے تیج و خم میں مرا دل پھنسا رہا  
آخر پتہ چلا کہ یہ حلقے ہیں جال کے

کہنے کو ایک بار تو وعدہ وفا کرو  
کیوں روز روز بات بڑھاتے ہو ٹال کے  
مدت کے بعد اُن پہ عدو کا بھرم کھلا  
نادم ہیں آستین میں وہ سانپ پال کے  
میرے یہ شعر، آب میں موتی سے کم نہیں  
ہاتھ آئے، فن کے سات سمندر کھنگال کے  
اللہ! دم کی خیر، کہ یہ گوئے یار ہے  
رکھنا قدم نصیر ذرا دیکھ بھال کے

---





حیران ہزاروں ہیں، پریشان ہزاروں  
پھرتے ہیں تجھے ڈھونڈتے انسان ہزاروں  
مجنوں ہی پہ کیا، لٹ گئے انسان ہزاروں  
اک دستِ جنوں میں ہیں گریبان ہزاروں  
الزام ترے سر ہیں بہر آن ہزاروں  
ہیں زلفِ پریشاں سے پریشان ہزاروں  
ایفا کبھی ہو جائیں تو تقدیر ہماری  
باندھے تو ہیں اُس شوخ نے پیمان ہزاروں  
ابرو ہیں کہ محرابِ حرم قبلہ عشاق  
آنکھوں پہ لٹا بیٹھے ہیں ایمان ہزاروں  
زاہد نے چھلکتا ہوا ساغر نہیں دیکھا  
ہر موج میں پوشیدہ ہیں طوفان ہزاروں

ہو جائے عنایت کی نظر کاش ادھر بھی  
ہم دل میں لیے بیٹھے ہیں ارمان ہزاروں  
او پردہ نشیں ایک ذرا جلوہ نما ہو  
بیٹھے ہیں ترے سوختہ سامان ہزاروں  
دُنیاے محبت میں نصیر ایک ہمیں کیا  
گھر بار کیے بیٹھے ہیں ویران ہزاروں

---



آگئیں چل کے ہوائیں ترے دیوانے تک  
اب یہی لے کے چلیں گی اُسے میخانے تک  
کوئی چھیڑے نہ مجھے عمدہ بہار آنے تک  
میں پہنچ جاؤں گا خود جھوم کے میخانے تک  
آ کے خود رقص کیا کرتا ہے جل جانے تک  
شمع سوزاں کبھی جاتی نہیں پروانے تک  
آنا جانا تو ہے واعظ! مرے کاشانے تک  
ایک دن آپ چلے آؤ گے میخانے تک  
اب نقاہت کا یہ عالم ہے کہ اٹھتے نہیں ہاتھ  
صرف نظریں ہی پہنچ سکتی ہیں پیمانے تک  
اس کڑے وقت میں احباب نہ کام آئیں گے  
تشنگی دے گی سہارا مجھے میخانے تک

دھیان زاہد کا خدا تک کسی صورت نہ گیا  
دسترس تھی اُسے تسبیح کے ہر دانے تک  
تجھ کو بھولے سے بھی میں بھول سکوں، ناممکن  
یہ تعلق تو رہے گا مرے مر جانے تک  
دل پہ عالم یہ گھٹن کا، یہ صبا کے غمزے  
دیکھئے کیا ہو، تری زلف کے لہرانے تک  
راہ دُشوار نہیں، سنگ نہیں، خار نہیں  
مطمئن ہو کے وہ آئیں مرے کاشانے تک  
تم تو اپنے تھے، نہ تھی تم سے یہ اُمید ہمیں  
کوئی مرتا ہو تو آجاتے ہیں بیگانے تک  
آج کل نیخودی شوق کا عالم ہے عجیب  
کہیں میں آپ نہ کھو جاؤں تجھے پانے تک  
موت برحق ہے، مگر آخری خواہش یہ ہے  
سانس چلتی رہے میری، ترے آجانے تک

بات کرنی ہے نکیرین سے تنہا سب کو

ساتھ رہتے ہیں یہ احباب تو دقنانے تک

مَسَدِ پیرِ مغال دُور بہت ہے مجھ سے

ہاتھ اُٹھ کر بھی پہنچتے نہیں پیمانے تک

قدم اُٹھتے نہیں، اب ضعف کا عالم ہے نصیر

کوئی لے جائے مجھے تھام کے میخانے تک

---



ہر ادا یوں ہے ، سزا ہو جیسے      یہ بھی اک اُن کی ادا ہو جیسے  
 اُن کا آنا بھی ہوا ہو جیسے      چور آنگن میں چھپا ہو جیسے  
 یوں ہے پہلو میں دلِ افسردہ      ساز خاموش پڑا ہو جیسے  
 مجھ کو محفل میں بلاتا ہی نہیں      تو مجھے بھول گیا ہو جیسے  
 اس طرح کانپ گیا دل میرا      تم نے کچھ مجھ سے کہا ہو جیسے  
 عارض ایسے ، کہ چمن میں دو پھول      زلف ایسی ، کہ بلا ہو جیسے  
 عشق کا بھید چھپائے نہ چھپا      میرے ماتھے پہ لکھا ہو جیسے  
 اس طرح غم نے پکارا مجھ کو      کسی سائل کی صدا ہو جیسے  
 میرا دل ، اور مجھی سے بیزار      اُن کے پہلو میں رہا ہو جیسے

ہیں خفا لفظِ وفا پر وہ نصیر

بات کرنا بھی خطا ہو جیسے



تُو نے جو بخشے ہمیں اسبابِ غم اچھے لگے  
تیرے بے جا ظلم بھی تیری قسم اچھے لگے  
غم کی دنیا سے ہوئی مانوس یوں طبعِ حزیں  
اپنے غم اچھے لگے ، دُنیا کے غم اچھے لگے  
اک اسی کے دم سے تھے اہلِ جنوں میں بے وقار  
عقل کھو کر کوچہِ جاناں میں ہم اچھے لگے  
پاس جب آئے تو ہم پر کھل گیا دامِ فریب  
دُور سے کیا کیا تری زلفوں کے خم اچھے لگے  
ہم بُرا کہتے رہے ، جب تک شناسائی نہ تھی  
میکدے میں آئے تو شیخِ حرم اچھے لگے  
روگِ دل کے دُھل گئے ، قسمت کے عُقدے کھل گئے  
آپ کی نسبت ہوئی حاصل تو ہم اچھے لگے

دل اُنہیں دے کر محبت کا بھرم رکھنا پڑا  
بے رُخی اچھی لگی ، ظلم و ستم اچھے لگے  
اہلِ عالم سے ہی کیا بے اعتنائی کا گلہ  
میرے افسانے نصیر اُن کو بھی کم اچھے لگے

---





پھرے ہیں اور پھریں گے نہ حکمِ یار سے ہم  
نیازمند ، رہیں گے ہر اعتبار سے ہم  
بہت قریب ہیں عکسِ جمالِ یار سے ہم  
قدم بڑھائیں اگر حدِ انتظار سے ہم  
خزاں سے ہیں نہ پریشاں ، نہ خوش بہار سے ہم  
نکل چکے ہیں مناظر کے اب حصار سے ہم  
کسی نفس نہیں آزاد ، خلفشار سے ہم  
بلائے دام سے اُلجھے کہ زلفِ یار سے ہم  
الہی ! کون سا عالم ہے یہ گلستاں کا  
بہار میں بھی ہیں بیگانہ بہار سے ہم  
عذابِ جاں ہیں غلط فہمیاں محبت میں  
نہ اب قرار سے وہ ہیں نہ اب قرار سے ہم

جو پھوٹتے نہیں صحرا میں پاؤں کے چھالے  
 تو اُن کو چھیڑتے رہتے ہیں نوکِ خار سے ہم  
 وہ آگے تھے تو دل کا عجیب عالم تھا  
 خوش اس قدر تھے، نظر آئے بے قرار سے ہم  
 ستم تھا اُن سے اچانک نگاہ کا بلنا  
 وہ مُنفعِل سے رہے اور شرمسار سے ہم  
 ہوا جو آپ کا ارشاد، ہم بجا لائے  
 ہیں اعتبار کے لائق، اس اعتبار سے ہم  
 یہ احترام تجلی، یہ اہتمام وفا  
 نظر بچا کے گزرتے رہے بہار سے ہم  
 یہی دُعا ہے کہ تم آؤ یا قضا آئے  
 نجات پائیں محبت میں جیت ہار سے ہم  
 ہمیں اُٹھانے کو آئے وہ فتنہ مجسّم  
 نصیر! یوں نہ اُٹھیں گے کبھی مزار سے ہم



ہم کسی کا گلا نہیں کرتے نہ ملیں ، جو ہلا نہیں کرتے  
چند کلیاں شگفتہ قسمت ہیں سارے غنچے کھلا نہیں کرتے  
جن کو دستِ جنوں نے چاک کیا وہ گریباں ہلا نہیں کرتے  
آپ محتاط ہوں زمانے میں ہر کسی سے ہلا نہیں کرتے  
جو محبت میں سنگِ میل نہیں وہ جگہ سے ہلا نہیں کرتے  
ناز ہے اُن کو بے وفائی پر ختم یہ سلسلا نہیں کرتے  
رستے رہتے ہیں بھیگی راتوں میں زخمِ دل کے ہلا نہیں کرتے

اُن سے بس اک نصیرِ شکوہ ہے

ہم سے وہ کیوں ہلا نہیں کرتے



رکھ دو جو اپنے ہاتھوں سے میت اُتار کے  
ذرے دُعائیں دیں مری خاکِ مزار کے  
تیور تو دیکھ ، حُسنِ تبتمِ شعار کے  
قربان ہو رہے ہیں تماشے بہار کے  
آخر کوبات مان ہی لی تھک کے ، ہار کے  
چُپ ہیں وہ ہاتھ زور سے زانو پہ مار کے  
کیسے بھلاؤں ، ساتھ گزارے جو یار کے  
دودن ہی بس نصیب ہوئے تھے بہار کے  
دیکھے ہوئے ہے روپِ صبا ، حُسنِ یار کے  
گجرے اُتار لے نہ عُروسِ بہار کے  
درکار ہے بس ایک اشارہ نگاہ کا  
دل کیا ہے ، جان نذر کروں سر سے وار کے  
شرمندہ ہو نہ جائے کہیں شامِ میکدہ  
نکلے نہ اس طرح کوئی زلفیں سنوار کے

اُس گُلبدن کے حُسن کی تزئین اور ہے  
سکھے ابھی بہار ، سلیقے بہار کے  
دُھندلا گیا ہے غم سے مرے دل کا آئنے  
تم سے نہ صاف ہوں گے یہ ذرے غبار کے  
بس یوں ہوا کہ اور بھی بیتاب ہو گئے  
آئے تھے تیرے در پہ سوالی قرار کے  
پہنچی جو اُن کی سادگی حُسن تک نظر  
خوروں نے رکھ دیئے وہیں زیور اُتار کے  
سُورج چڑھا بھی ، ڈھل بھی گیا ، شام ہو گئی  
کچھ تو کہو ، تم آئے کہاں دن گزار کے  
یہ کس کی خاک ، دوشِ ہوا پر مچل گئی  
اُٹھنے لگے فضا میں بگولے غبار کے  
ساتی نہ ہو نصیر ! تو ویراں ہے میکدہ  
ایسے میں کیا کریں گے یہاں دن گزار کے

---



لوگ نالاں ہیں جفا سے تیری      حشر برپا ہے ادا سے تیری  
چھیڑ ہے زلفِ رسا سے تیری      بات بگڑی ہے صبا سے تیری  
کوئی جیتا ہو، تجھے اس سے غرض      کوئی مرتا ہو، بلا سے تیری  
ساتی بزم! پلا، دیر نہ کر      بنتیں کرتے ہیں پیا سے تیری  
بات بنتی ہے کرم سے تیرے      کام چلتا ہے عطا سے تیری  
ہم نے لٹتے ہوئے گھر دیکھے ہیں      ایک سادہ سی ادا سے تیری  
حوصلہ ہے ابھی غم سہنے کا      ابھی زندہ ہیں دُعا سے تیری  
پھر سہی، حشر کے دن کر لیں گے      بات کرنی ہے خدا سے تیری

دُھوم ہے شعلہ نوائی کی نصیر

لوگ جلتے ہوں، بلا سے تیری



مرا سوال ہی اُن کا جواب تھا کیا تھا  
 تمہارا احسن، تمہارا شباب تھا کیا تھا  
 تمام عمر نہ دیکھی قرار کی صورت  
 کلیم غش تھے، انہیں کیا خبر، دم دیدار  
 تمہارا احسن جسے لے اڑی تھی انگڑائی  
 تری نگاہ کا اٹھنا وہ بار بار ادھر  
 تمام میکدہ سیراب ہو گیا جس سے  
 سمجھ میں آنے سکا زندگی کا ہنگامہ  
 نظر ہے آج تک اس جستجو میں کھوئی ہوئی  
 یہ اک کرشمہ تھا یا انقلاب تھا کیا تھا  
 فقط خیال تھا یا کوئی خواب تھا کیا تھا  
 دلِ حزیں مرے حق میں عذاب تھا کیا تھا  
 جمال تھا کہ فریبِ حجاب تھا کیا تھا  
 شعاعِ مہر تھا، موجِ شراب تھا، کیا تھا  
 کرم تھا یا ستم بے حساب تھا کیا تھا  
 وہ چشمِ یار تھی، جامِ شراب تھا کیا تھا  
 خبر نہیں یہ تماشا تھا، خواب تھا کیا تھا  
 وہ حُسنِ یار، جو زیرِ نقاب تھا کیا تھا

نصیر پھر نہ میسر ہوا زمانے میں

وہ اک نفس جو بنا مِ شباب تھا کیا تھا



اللہ اللہ! پس پردہ در کی صورت  
اب نہ پوچھو کہ ہے کیا میری نظر کی صورت  
ہر نفس ہے مجھے وحشت میں سفر کی صورت  
دشت کی بھی وہی صورت ہے جو گھر کی صورت  
دیکھنے دی نہ شبِ غم نے سحر کی صورت  
دیکھتی رہ گئی فریاد ، اثر کی صورت  
چاندنی بن کے اتر آؤ مرے آنگن میں  
تم کو اللہ نے بخشا ہے قمر کی صورت  
ہم نے جس دن تمہیں دیکھا تھا اچانک سرِ راہ  
ہم نے اُس دن سے نہ دیکھی کبھی گھر کی صورت  
وہ بلا لیں مجھے ، یا آپ چلا جاؤں میں  
میرے مولیٰ! کوئی بن جائے ادھر کی صورت



سر سلامت رہے ، دیوار ہے ، دیوانہ ہے  
آپ زنداں میں نکل آئے گی در کی صورت  
ایک پامالِ الم ، دوسرا مشغولِ ستم  
اک تماشا ہے ادھر اور ادھر کی صورت  
اک نظر آپ بھی دیکھیں تو ، بہار آئی ہے  
دل کا ہر زخم کھلا ہے گلِ تر کی صورت  
داغ وہ کھائے گا سینے پہ ، مٹائے نہ مٹے  
تیری جانب مہِ تاباں نے اگر ”کی صورت“  
اپنی صورت ہی کو آئینے میں دیکھا سب نے  
دیکھ پایا نہ کوئی آئینہ گر کی صورت  
بالِ اُلجھے ہوئے ، دل سوختہ ، ویراں آنکھیں  
اللہ اللہ ! ترے خاکِ بسر کی صورت  
جن کو اللہ نے بچھے ہوں مقاماتِ بلند  
جب بلے جھک کے بلے شاخِ شجر کی صورت

جس طرف ہوتا ہے وہ جانِ جہاں محوِ حرام  
آنکھیں پچھتی ہیں وہاں راہنزر کی صورت  
اُس درِ ناز سے پردہ نہیں اٹھتا ، نہ اٹھے  
ہم بھی اٹھنے کے نہیں پردہء در کی صورت  
تا دمِ زلیست شکایت رہی آہوں سے نصیر  
موت آئی ، تو نظر آئی اثر کی صورت

---



بلایا اگر میں نے ، آئیں گے کیا؟

مری بات وہ مان جائیں گے کیا؟

ہماری وفائیں بھلائیں گے کیا

ہمیں کھویں گے وہ ، تو پائیں گے کیا

نیا کوئی فتنہ اٹھائیں گے کیا؟

ہمیں آپ پھر آزمائیں گے کیا؟

انہیں اور جھگڑوں سے فرصت کہاں

مرے دل میں وہ گھر بنائیں گے کیا

خزاں جن کی قسمت میں تکھی گئی

گلستاں میں وہ مسکرائیں گے کیا

تمہیں سے ہمیں کون سا فیض ہے

کسی اور سے دل لگائیں گے کیا

نہیں جن پہ چشمِ کرم آپ کی  
وہ میری نظر میں سمائیں گے کیا  
نزاکت قدم اٹھنے دیتی نہیں  
مرے گھر بھلا آپ آئیں گے کیا  
ہم اُن کی اداؤں پہ خود مر مٹے  
ستائے ہوؤں کو ستائیں گے کیا  
لہو خشک، دل خشک، دم خشک ہے  
ہم آنکھوں سے آنسو بہائیں گے کیا  
نصیر اہلِ دل کا بھرم ہے ابھی  
اُنہیں دیکھ کر مرنے جائیں گے کیا؟

---



چار تنکوں کا سہارا کچھ نہیں      صحنِ گلشن میں ہمارا کچھ نہیں  
 چین لوثا، دل مرا ویراں کیا      بس بگاڑا ہے، سنوارا کچھ نہیں  
 جان دینے کے لئے حاضر ہیں ہم      عاشقی میں یہ خسارا کچھ نہیں  
 جستجو، ایماں، تن آسانی، گناہ      موج سب کچھ ہے، کنار ا کچھ نہیں  
 بے وفائی بھی ترا احسان ہے      اس سے بڑھ کر حق ہمارا کچھ نہیں  
 ہم سے دل لے کر یہ ظالم نے کہا      جاؤ، رستہ لو، تمہارا کچھ نہیں  
 اک نگاہِ لطف ہم پر بھی کبھی      عرض ہے اپنی، اجارا کچھ نہیں

سارے عالم میں وہی وہ ہیں نصیر

سب کچھ اُن کا ہے، ہمارا کچھ نہیں



راہوں سے تری گزر رہا ہوں      انکاروں پہ پاؤں دھر رہا ہوں  
 انجام سے اپنے ڈر رہا ہوں      مجموعہ خیر و شر ، رہا ہوں  
 صحرا کی ہوا مجھے گوارا      گلشن کی ہوا سے ڈر رہا ہوں  
 احباب مرے بُرا نہ مانیں      میں خود سے کلام کر رہا ہوں  
 ظلماتِ سحابِ زندگی سے      بجلی کی طرح گزر رہا ہوں  
 میں ہوں وہ فریب خوردہ انساں      سائے سے بھی اپنے ڈر رہا ہوں  
 الفت ہے اگر گناہ ، لوگو !      میں بھی یہ گناہ کر رہا ہوں  
 آنکھوں سے لہو بہا بہا کر      محفل میں تری نکھر رہا ہوں  
 کچھ لوگ مجھے ڈبو چکے تھے      موجوں کی طرح ابھر رہا ہوں  
 ہے مد نظر ترا تصور      آئینے سے بات کر رہا ہوں  
 اے دستِ کرم ! سمیٹ مجھ کو      ذروں کی طرح نکھر رہا ہوں

میں بھی ہوں نصیر کیا تماشا

جو ہونہ سکے ، وہ کر رہا ہوں



وہ کبھی خواب میں آئیں تو سہی      میری تقدیر جگائیں تو سہی  
حالِ دل اپنا سنائیں تو سہی      آپ کو ہم کہیں پائیں تو سہی  
اُن کی ہر شرط ہے منظور مجھے      وہ مری راہ پہ آئیں تو سہی  
کیا پشیمان ہیں ستم پر اپنے      آپ کیوں چُپ ہیں، بتائیں تو سہی  
آج ہی پر نہیں موقوف کرم      رُخ بدل جائیں ہوائیں ”تو سہی“  
لُطف آجائے گا اے واعظِ شہر!      آپ میخانے میں جائیں تو سہی  
کوئی دُشوار نہیں راہِ وفا      وہ قدم اپنے اٹھائیں تو سہی  
کون کافر ہے جو ہو منکرِ مے      آپ اک گھونٹ پلائیں تو سہی

کھینچ کے آجائیں گے مے خوار نصیر

میکدہ آپ سجائیں تو سہی



بے ہیں آپ مرے دل میں عمر بھر کے لئے  
صدف بنا تھا یہ شاید اسی گھر کے لئے  
بلاخریدی ہے میں نے یہ عمر بھر کے لئے  
تمہاری زلف کا سودا ہے میرے سر کے لئے  
جو بے غرض نہ ہو، جس میں نہ ہو خلوص کوئی  
سلام ایسے تعلق کو عمر بھر کے لئے  
شبِ فراق کی لذت کہاں نصیب انہیں  
دُعائیں مانگتے رہتے ہیں جو سحر کے لئے  
ہوا یہی کہ رُکے بزمِ غیر میں جا کر  
ارادہ کر کے چلے تھے وہ میرے گھر کے لئے  
ہمارے دل کو متاعِ حیات کب سمجھا  
نشانہ چاہیے اُس شوخ کو نظر کے لئے



جو داستانِ غم و درد کا خلاصہ ہو  
مجھے وہ اشک ہے درکار، چشمِ تر کے لئے  
ہوس کی آنکھ سے اوجھل ہے بندگی کا مقام  
علوِٰ عجز ہی معراج ہے بشر کے لئے  
عدم کو لے کے چلا ہوں نصیرِ داغِ فراق  
یہ زاوِ راہ بہت ہے مجھے سفر کے لئے

---



آپ میں ظلم کے اندازِ آب آنے تو لگے  
خیر سے چاہنے والوں کو ستانے تو لگے  
بے حجابانہ سرِ بزم وہ آنے تو لگے  
شرم کچھ دُور ہوئی ، آنکھ ملانے تو لگے  
خود نہ آئیں ، وہ مجھے پاس بلانے تو لگے  
رفتہ رفتہ ہی سہی ، راہ پہ آنے تو لگے  
دیکھئے ! آپ کے دامن سے نہ ذرے لپٹیں  
دلِ برباد کی خاک آپ اڑانے تو لگے  
میرے کہلائے ، مگر اُن کے رہے حضرتِ دل !  
اُن کی جاگیر بنے ، ہوش ٹھکانے تو لگے !  
کچھ نہ کچھ اپنی جفاؤں کا ہے احساس اُنہیں  
شکوہ کرنے پہ بہانے وہ بنانے تو لگے

یہ بھی سوچا ہے کہ پھر کس پہ جفائیں ہوں گی  
آپ غصے میں مرے دل کو مٹانے تو لگے  
مے کے چھینٹوں سے ابھی پیاس بُجھے گی زاہد!  
جھوم کر ابر سرِ میکدہ چھانے تو لگے  
اس سے بڑھ کر بھی توجہ کی طلب ہے تجھ کو  
چٹکیوں میں وہ تری بات اڑانے تو لگے  
تیرا کوچہ نہ سہی ، دامنِ صحرا ہی سہی  
میری مٹی کہیں کم بخت ٹھکانے تو لگے  
اب نہ کہئے کہ ملاقات بڑی مشکل ہے  
اُن کی محفل میں نصیر آپ بھی جانے تو لگے

---



ہے آج پھر دلِ دیوانہ زخمہ یابِ جنوں  
 کسی نے چھیڑ دیا پھر کہیں ربابِ جنوں  
 جنوں کے شہر میں ہے ہم سے آبِ و تابِ جنوں  
 ہمیں نصیب ہے سرمایہٴ شبابِ جنوں  
 ہماری کشتِ تمنا نہ کیوں پھلے پھولے  
 تمام عمر برستا رہا سحابِ جنوں  
 یہ وہ سوال ہے جو حل طلب رہے گا سدا  
 خرد کے پاس نہیں ہے کوئی جوابِ جنوں  
 ابھی نہ چھیڑ مجھے شخنہٴ خرد کچھ دیر  
 پلا رہی ہے کسی کی نظر شرابِ جنوں  
 جنوں کی راہ میں چلنا کوئی مذاق نہ تھا  
 خرد چلی بھی تو دو گام ، ہمرکابِ جنوں

یہ تحفہ درِ جاناں ہے تو بھی دیکھ فلک  
نشانِ سجدہ جیساں پر ہے آفتابِ جنوں  
کتابِ شوق مرتب ہوئی سلیقے سے  
ہمارے نام سے ہے ابتدائے باپِ جنوں  
نمازِ عشق ادا کی اس اہتمام کے ساتھ  
بہ فیضِ اشک کیا ہے وضو بہ آبِ جنوں  
خرد اٹھا نہ سکی پھر کوئی بھی ہنگامہ  
چڑھی وہ ٹوٹ کے بُوئے شرابِ نابِ جنوں  
تمام عمر کئی نت نئے تماشوں میں  
نصیرِ جلوہ بجلوہ رہا خرابِ جنوں



تُو اگر رتھے گا ساقی ہم سے پیمانہ الگ  
ہم بنا لیں گے کہیں چھوٹا سا میخانہ الگ  
اس کی آبادی الگ ہے اس کا ویرانہ الگ  
دُور اس دنیا سے رہتا ہے یہ دیوانہ، الگ  
مے کشی کے ساتھ لطفِ رقصِ پیمانہ الگ  
اور اُس پر التفاتِ پیرِ میخانہ الگ  
خالِ رُخ، دل کی گرفتاری کا اک سامان ہے  
بے خبر! ہوتا نہیں ہے دام سے دانہ الگ  
اک مقام ایسا کہ جیتے جی گزر ممکن نہیں  
زندگی تَچ کر بنایا ہم نے کاشانہ الگ  
خود نمائی اُس کی فطرت، بے نیازی اس کی خُو  
رنگِ شاہانہ جدا، شانِ فقیرانہ الگ

گل کھلائے فصلِ گل آتے ہی دیوانوں نے یوں  
 اب نظر آتا نہیں گلشن سے ویرانہ الگ  
 آنسوؤں سے لکھ رہے ہیں واقعاتِ زندگی  
 ہم مرتب کر رہے ہیں اپنا افسانہ الگ  
 تیرے صدقے اب نہیں ساتی مجھے کوئی جگہ  
 مجھ کو مل جاتی ہے مے، پینے کو روزانہ الگ  
 خاک پروانے کی ساری شب رہی اُس کے حضور  
 شمع سے رہتا نہیں جل کر بھی پروانہ الگ  
 میکدے میں ہم ہیں، اپنے ہر نفس میں موج مے  
 اب نہ شیشہ ہے جدا ہم سے، نہ پیمانہ الگ  
 زاہدوں کو بادہ آشاموں پہ مت کیجے قیاس  
 وضع تقویٰ اور شے، اندازِ رندانہ الگ  
 پی رہا ہوں، جی رہا ہوں، شاد ہوں، سرشار ہوں  
 دل لگی مے سے الگ، ساتی سے یارانہ الگ  
 میکدے میں اب بھی اتنی ساکھ ہے اپنی نصیر!  
 اک ہمارے نام کا رہتا ہے پیمانہ "الگ"



گھر سے نکل کے سیرِ چمن کو چلا تو ہے  
آئے گا وہ ہماری طرف بھی ، سنا تو ہے  
رسمِ کرم نہ ہو جو نہیں ہے ، جفا تو ہے  
قائم کسی حسین سے کوئی سلسلا تو ہے  
اس بے کسی میں ہم کو یہ اک آسرا تو ہے  
موجود نامہ بر نہ ہو ، بادِ صبا تو ہے  
تیری نظر میں چاہنے والا بُرا تو ہے  
لیکن خطا معاف ! تجھے چاہتا تو ہے  
ہم نے انہیں سنا تو دیا ، دل کا ماجرا  
اب دیکھیے جواب وہ کیا دیں ، کہا تو ہے  
فریادِ سن کے میری وہ ظالم لرز اٹھا  
سنگِ گراں کچھ اپنی جگہ سے ہلا تو ہے



طوفانِ غم میں موجِ بلا سے نہ ہو اُداس

ساحلِ ملے ، ملے نہ ملے ، آسرا تو ہے

اُس بارگاہِ ناز میں پہنچے تو جانئے

قاصدِ ہوا سے تیز اُدھر کو گیا تو ہے

کوئی تو ہے رفیق ، غمِ ہجر میں ضرور

میں مانتا ہوں تم جو نہیں ہو ، قضا تو ہے

کہتے ہیں ، یہ خبر تو نہیں ہے ، وہ کون تھا

ہاں ایک شخص شمع کی صورت جلا تو ہے

تم سے رہا تعلقِ خاطر کا آسرا

اچھا جو تم مرے نہیں ہوتے ، خدا تو ہے

کیا فائدہ ہے روز کی جھک جھک سے ناصحو

میں اس چلن سے ہٹ نہیں سکتا ” کہا تو ہے“

مٹ کر بھی صبح و شام تری رہ گزر میں ہوں

آخر مرا غبار ٹھکانے لگا تو ہے

دنیا کے اِتمام پہ مت جائیے حضور !

جیسا بھی ہے نصیر ، مگر آپ کا تو ہے



بے رُخی اُن کی ہر ادا میں ہے  
 اک جھلک اُس کی ابتدا میں ہے  
 زہد میں ہے نہ اتقا میں ہے  
 قصے اوروں کے سُن رہا ہے کوئی  
 خیر یارب! مرے نشیمن کی  
 زلف کی چیرہ دستیاں، توبہ  
 جس طرف چاہے اُس کا رخ پھیرے  
 وہ غرورِ جمال میں گم ہیں  
 راس آیا نہ جامہ ہستی  
 دل خدا جانے کس ہوا میں ہے  
 آزمائش جو اتھا میں ہے  
 زندگی معتبر، وفا میں ہے  
 داستاں میری التوا میں ہے  
 برق بے تاب پھر گھٹا میں ہے  
 آدمی پنہ بے بلا میں ہے  
 ناؤ اب دستِ ناخدا میں ہے  
 مدعی، عرضِ مدعا میں ہے  
 آدمی تنگ سی قبا میں ہے

اور کچھ ہو نصیر میں کہ نہ ہو

سیرِ چشمی ترے گدا میں ہے



حُسن کی بارگاہ میں رکھیے  
حوصلہ اُن کی چاہ میں رکھیے  
اُن کے کوچے کی خاک ہے اکسیر  
جو ہمیشہ رہیں شریکِ سفر  
چھوڑیئے بھی مہ و نجوم کی بات  
مر ہی جائیں جو ہم کو مرنا ہے  
ہجر کی تیرگی سے باز آیا  
دل کو اُن کی نگاہ میں رکھیے  
وضع داری نباہ میں رکھیے  
چومیئے، پھر کُلاہ میں رکھیے  
ساتھ ایسوں کو راہ میں رکھیے  
اُن کا چہرہ نگاہ میں رکھیے  
کیوں اُنہیں اشتباہ میں رکھیے  
اس کو زُلفِ سیاہ میں رکھیے

جو خُدا کی پناہ میں ہیں نصیر  
خود کو اُن کی پناہ میں رکھیے



صبح سے ہے غرض، نہ شام سے کام      زندگی کو ہے اپنے کام سے کام  
 ہم کو ہے مے کے اہتمام سے کام      خوب چلتا ہے دھوم دھام سے کام  
 اے مذاقِ طلب! ادھر لے چل      آپڑا اُن کے لطفِ عام سے کام  
 آپ لائیں مرے خلاف ثبوت!      چل سکے گا نہ اہتمام سے کام  
 وہ کہیں بھی ہمیں نظر آئیں      ہم کو ہے اُن کے احترام سے کام  
 ہم نے پوچھا تو ہنس کے فرمایا      آپ کو کیا ہمارے نام سے کام  
 بات کرنے پہ وہ بگڑتا تھا      بن گیا نامہ و پیام سے کام  
 جاگ اٹھی نصیر کی قسمت  
 آپ کو، اور اس غلام سے کام؟



عشق نے جکڑا ہے مجھ کو اُس کڑی زنجیر سے  
جس کے حلقے کھل نہیں سکتے کسی تدبیر سے

اور ہی کچھ ہو شبِ فرقت کے کٹنے کی سبیل  
دل تصور سے بہلتا ہے ، نہ اب تصویر سے

خطِ اسے مت کہہ ، یہ لکھا ہے مری تقدیر کا  
رہا ہے دل کو تمہاری شوخیِ تحریر سے

زندگی بھر اک سہانا خواب ہم دیکھا کیے  
تیری صورت مل گئی اُس خواب کی تعبیر سے

اُس نگاہِ ناز پر صدقے دل و جاں ہو گئے  
آپ نے دیکھا؟ نشانے دو اڑے ، اک تیر سے

اب تو بس دو ہچکیوں کی بات باقی رہ گئی  
آپ نے پوچھا مجھے ، لیکن بڑی تاخیر سے

غم کی پہنائی کے سناٹے میں تنہا تھا نصیر  
وہ تو کھو جاتا ، مگر تم بل گئے تقدیر سے



اُن کے اندازِ کرم ، اُن پہ وہ آنا دل کا  
ہائے وہ وقت ، وہ باتیں ، وہ زمانا دل کا  
نہ سنا اُس نے توجہ سے فسانا دل کا  
زندگی گزری ، مگر درد نہ جانا دل کا  
کچھ نئی بات نہیں حُسن پہ آنا دل کا  
مشغلہ ہے یہ نہایت ہی پرانا دل کا  
وہ محبت کی شروعات ، وہ بے تھاہ خوشی  
دیکھ کر اُن کو وہ پُھولے نہ سمانا دل کا  
دل لگی ، دل کی لگی بن کے مٹا دیتی ہے  
روگ دُشمن کو بھی یارب ! نہ لگانا دل کا  
ایک تو میرے مقدر کو بگاڑا اِس نے  
اور پھر اُس پہ غضب ہنس کے بنانا دل کا

میرے پہلو میں نہیں آپ کی مٹھی میں نہیں

بے ٹھکانے ہے بہت دن سے، ٹھکانا دل کا

وہ بھی اپنے نہ ہوئے، دل بھی گیا ہاتھوں سے

”ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا دل کا“

خوب ہیں آپ بہت خوب، مگر یاد رہے

زیب دیتا نہیں ایسوں کو ستانا دل کا

بے جھجک آ کے بلو، ہنس کے بلاؤ آنکھیں

اؤ ہم تم کو سکھاتے ہیں بلانا دل کا

نقش بر آب نہیں، وہم نہیں، خواب نہیں

آپ کیوں کھیل سمجھتے ہیں مٹانا دل کا

حسرتیں خاک ہوئیں، مٹ گئے ارماں سارے

لٹ گیا کوچہ جاناں میں خزانہ دل کا

لے چلا ہے مرے پہلو سے بصد شوق کوئی

اب تو ممکن ہی نہیں لوٹ کے آنا دل کا

ان کی محفل میں نصیر ان کے تبسم کی قسم

دیکھتے رہ گئے ہم، ہاتھ سے جانا دل کا



ترا خیال رہے ، تیری آرزو بھی رہے  
یہ دل ترا ہے کبھی اس میں آ کے تو بھی رہے  
دُفورِ شوق میں چاہت کی آبرو بھی رہے  
تلاشِ یار بھی ہو ، اپنی جستجو بھی رہے  
یہ دو گھڑی کی رفاقت نہیں ، محبت ہے  
حیا تو حُسن کا زیور ہے ، گُفتگو بھی رہے  
جمالِ حق مری آنکھوں کا نور بن کے رہا  
اگرچہ میری نگاہوں میں خُبرو بھی رہے  
ترے بغیر کبھی مئے کا نام تک نہ لیا  
ہزار جامِ چلے ، سامنے سبُو بھی رہے  
خُدا کرے کہ تجھے بھی غمِ محبت ہو  
تمامِ عمر گرفتارِ عشق ، تو بھی رہے



مجھے یہ دُھن ہے کہ محفل میں کوئی غیر نہ ہو  
اُسے یہ ضد ہے کہ میں بھی رہوں، عدو بھی رہے  
سنا ہے اُن کی ملاقات کو گئے تھے نصیر  
ملے وہ آپ سے، آپ اُن کے زور و بھی رہے

---



نظر میں بھی نہیں اب گھومتا پیمانہ برسوں سے  
قسم کھانے کو بھی دیکھا نہیں میخانہ برسوں سے  
نہ پینے کو ملی اک گھونٹ، بے باکانہ برسوں سے  
نہیں اب کارفرما جرأتِ رندانہ برسوں سے  
سرِ صحرا جدھر دیکھو اُداسی ہی اُداسی ہے  
ادھر آیا نہیں شاید کوئی دیوانہ برسوں سے  
کبھی خلوت، کبھی جلوت، کبھی ہنسنا، کبھی رونا  
مرتب کر رہے ہیں ہم بھی اک افسانہ برسوں سے  
یہ تکلیفِ قدم بوسی، یہ اندازِ پزیرائی  
ہمارا منتظر تھا غالباً ویرانہ برسوں سے  
میٹر آئی کیا ہم کو گدائی آپ کے در کی  
گزرتی ہے ہماری زندگی شاہانہ برسوں سے

وہ اپنی ذات کے صحرا میں شاید تیرا جو یا ہے  
نظر آیا نہیں احباب کو دیوانہ برسوں سے  
نصیر اب اپنی آنکھیں اٹھ نہیں سکتیں کسی جانب  
مرے پیشِ نظر ہے اک تجلی خانہ برسوں سے

---



یہ کیا کہہ گئے مجھ کو کیا کہتے کہتے  
 کہیں یہ نہ ہو آنکھ بھر آئے قاصد  
 اٹھاتھائیں کچھ اُن سے کہنے کو، لیکن  
 وہ سُنتے مگر اے ہجومِ تمنا!  
 بھلا کہہ گئے وہ بُرا کہتے کہتے  
 مری داستانِ وفا کہتے کہتے  
 زباں رک گئی بارہا ”کہتے کہتے“  
 ہمیں کھو گئے مدعا کہتے کہتے  
 زمانے کی آغوش میں جا پڑے ہم  
 پلائے گا ساقی تو پینی پڑے گی  
 کسی دن روا، ناروا کہتے کہتے  
 وہ چُپ ہو گئے جانے کیا کہتے کہتے  
 نگاہیں جھکیں، لب ہلے، مُسکرائے  
 ادھوری رہی داستانِ محبت  
 جہاں سے کوئی اُٹھ گیا ”کہتے کہتے“

نصیر ایسے اشعار اُن کو سناؤ

وہ شرمائیں بھی مرچبا کہتے کہتے



ہنس دیئے چمن میں گل، کس لئے خدا جانے  
کیا کہا بہاروں نے ، بات یہ صبا جانے  
وہ ہمیں الگ سمجھے ، وہ ہمیں جدا جانے  
ہم جنہیں زمانے میں ، اپنا آشنا جانے  
اک چھپی ہوئی شے کی ، اصل کوئی کیا جانے  
دردِ دل کا قصہ ہے ، کون دوسرا جانے  
ہم تو آپ پر صدقے ، آپ ہم سے بیگانہ  
ابتدا میں یہ عالم ، انتہا خدا جانے  
میں تو ہوش کھو بیٹھا ، دیکھ کر دم زینت  
آئے پہ کیا گزری ، اس کو آشنا جانے  
اُس نگاہ سے ہم کو ہے امید مرہم کی  
جو خلش بڑھا رکھے ، زخم ہی لگا جانے

ہم نے اُن سے جب پوچھا، کیا ہوا ہمارا دل  
ہنس کے چپ رہے پہلے، پھر کہا، خدا جانے  
تیرے در کے ٹکڑوں نے، جس گدا کو پالا ہو  
وہ کسی کو کیا سمجھے، وہ کسی کو کیا جانے  
آپ کیوں ہوئے مضطر، آپ کیوں پریشاں ہیں  
ہم پہ جو گزرتی ہے، آپ کی بلا جانے  
خلق کی نگاہوں میں، میں بُرا سہی، لیکن  
آپ کیوں بُرا سمجھے، آپ کیوں بُرا جانے  
یہ شرف نصیر اُس کی بارگہ میں کیا کم ہے  
وہ تری دُعا سُن لے، تیرا مدعا جانے

---



ہم ہی نہیں ہیں اُن پہ فدا، اور بھی تو ہیں  
کچھ لوگ زندگی سے خفا اور بھی تو ہیں  
انداز بے رُخی کے سوا اور بھی تو ہیں  
فِتنے تمہارے دَم سے بپا اور بھی تو ہیں  
پابندِ رسم و راہِ محبت ہمیں نہیں  
زنجیریاں ذوقِ وفا اور بھی تو ہیں  
رو رو کے کہہ رہا ہے کوئی داستانِ غم  
ہنس کر وہ کہہ رہے ہیں، جدا اور بھی تو ہیں  
غنجوں ہی کی شگفت میں گم ہو گئی صبا  
صحنِ چمن میں تنگ قبا اور بھی تو ہیں  
فرعون ہی پہ ختم نہیں قصہ انا  
برخود غلط بہت سے خدا اور بھی تو ہیں

میں نے کہا جو اُس سے کہ یوسف ادا ہے تو

شرما کے اُس نے مجھ سے کہا! ”اور بھی تو ہیں“

میں ہی نہیں ہوں کشتہ تیغِ ستم نصیر

اُن کی گلی میں میرے سوا اور بھی تو ہیں

---





سرِ میخانہ کوئی پارسا اب تک نہیں آیا

ہمیں پینے پلانے کا مزا اب تک نہیں آیا

کیا وعدہ ، مگر وہ بے وفا اب تک نہیں آیا

خدا معلوم کب تک آئے گا ، اب تک نہیں آیا

فلک کی گردشیں حیراں ہیں اُس کی بے مثالی پر

کوئی ایسا ستگر دوسرا اب تک نہیں آیا

شباب آیا ، حجاب آیا ، ادائیں آگئیں اُن کو

نہیں آیا تو اندازِ وفا اب تک نہیں آیا

نگاہیں اُن کی اٹھیں ، گھوم پھر کر غیر تک پہنچیں

مری جانب کوئی تیر قضا اب تک نہیں آیا

تمہیں اے ہم نشینو! نامہ بر کی کچھ خبر لاؤ

ذرا پھر دیکھ لو یہ کیا کہا! ”اب تک نہیں آیا“؟

ہزاروں کو ہے دعویٰ ناخدائی کا ، مگر ہم کو  
 نظر کوئی بھی ساحل آشنا اب تک نہیں آیا  
 مرے نزدیک تو عذرِ خطا انکارِ رحمت ہے  
 خطا کاروں کو اندازِ خطا ، اب تک نہیں آیا  
 پلٹ کر آ نہیں سکتا عدم کی راہ سے کوئی  
 یہ دنیا چھوڑ کر جو بھی گیا ، اب تک نہیں آیا  
 مرے غم خانہ ہستی کی شب تاریک ہے کتنی  
 کوئی جگنو ، کوئی روشن دیا ، اب تک نہیں آیا  
 یہ اک تم ہو، کہ اک مدت سے ہم کو بھولے بیٹھے ہو  
 یہ اک ہم ہیں ، کہ ہم کو بھولنا اب تک نہیں آیا  
 نصیر اُس نے دمِ رخصت نہ کیا کیا کھائی تھیں قسمیں  
 مگر دیکھو ذرا ! وہ بے وفا اب تک نہیں آیا



فرقت میں نفسِ نفسِ سزا ہے      اللہ ! ترا ہی آسرا ہے  
 صحرا میں سکون مل رہا ہے      احسان یہ اے جنوں ! ترا ہے  
 آسان کب ابتدائے اُلفت      آزار و الم کی انتہا ہے  
 بے حد و حساب، اُس کی بخشش      اب بھی جو خطانہ ہو، خطا ہے  
 پھولوں سے یگانگت ہے مجھ کو      ان میں مرا خون دوڑتا ہے  
 قربت میں تھی سازِ دل کی لے اور      فرقت میں کچھ اور ہی نوا ہے  
 پامالِ خزاں ضرور ہو گا      جو پھول بہار میں کھلا ہے  
 پہچان سکا نہ وہ ہمیں بھی      اُس نے تو کمال کر دیا ہے

کس کس کو سناؤں حالِ غم کا

ہر شخص نصیر ! پوچھتا ہے



مسندِ ناز پہ جب وہ ستم ایجاد آیا  
ٹوٹ کر ایک جہاں برسِ فریاد آیا  
کام ایمان کے آخرِ مرا الحاد آیا  
دیکھ کر اُس بُتِ کافر کو ، خدا یاد آیا  
اُن کی محفل میں یہ جانے کا نتیجہ نکلا  
میں گیا شاد ، مگر ٹوٹ کے ناشاد آیا  
آمدورفت کی اُس بزم میں صورت یہ رہی  
بہ سرو چشم گیا ، حاملِ فریاد آیا  
ایک جان اور دو قالب بھی رہے ہیں ہم تم  
ہائے ! کیا دور تھا تم کو بھی کبھی یاد آیا ؟  
قتل ہونے کے لئے میں نے جھکا دی گردن  
مسکراتا ہوا اس شان سے جلا د آیا

ہم بہت روئے ہیں صیاد کے گھر میں گھر کر  
 چار تنکوں کا نشیمن جو ہمیں یاد آیا  
 جستجو میں تری جو شخص گیا ، شاد گیا  
 جو ترے شہر سے آیا ہے ، وہ برباد آیا  
 اتنا اترائیں بہاروں پہ نہ اہلِ گلشن  
 ہم بھی تھے ماکلِ پرواز کہ صیاد آیا  
 کار فرما ہے کسی مصلحتِ خاص کی رو  
 ورنہ میرا یہ مقدر ، کہ تمہیں یاد آیا؟  
 ذہنِ انساں پہ یہ بیکار ہیں سائے پہرے  
 اُسے پابند کرے کون ، جو آزاد آیا  
 داد ہو یا کہ ہو بیداد ، ستم ہو کہ کرم  
 کچھ بھی ہو ، میرا مقدر کہ تمہیں یاد آیا  
 قیس و فرہاد کو یک گونہ رہا مجھ سے خلوص  
 جب بھی دیکھا تو پکار اُٹھے کہ اُستاد آیا  
 وہ بھی بلتا جو گلے سے تو خوشی عید کی تھی  
 کوئی رہ رہ کے نصیر آج بہت یاد آیا



وفا ہو کر ، جفا ہو کر ، حیا ہو کر ، ادا ہو کر  
سمائے وہ مرے دل میں نہیں معلوم کیا ہو کر  
مرا کہنا یہی ہے ، تو نہ رخصت ہو خفا ہو کر  
اب آگے تیری مرضی ، جو بھی تیرا مدعا ہو ، کر  
نہ وہ محفل ، نہ وہ ساقی ، نہ وہ ساغر ، نہ وہ بادہ  
ہماری زندگی اب رہ گئی ہے بے مزا ہو کر  
معاذ اللہ ! یہ عالم بتوں کی خود نمائی کا  
کہ جیسے چھا ہی جائیں گے خدائی پر ، خدا ہو کر  
ہر صورت وہ دل والوں سے دل کو چھین لیتے ہیں  
مچل کر ، مسکرا کر ، زوٹھ کر ، تن کر ، خفا ہو کر  
نہ چھوڑو ساتھ میرا ہجر کی شب ڈوبتے تارو!  
نہ پھیرو مجھ سے یوں آنکھیں ، مرے غم آشنا ہو کر

انہیں پھر کون جانچے، کون تولے گا نگاہوں میں  
اگر کانٹے رہیں گلشن میں پھولوں سے جدا ہو کر  
مرے دل نے حسینوں میں مزے لوٹے محبت کے  
کبھی اس پر فدا ہو کر، کبھی اُس پر فدا ہو کر  
جہاں سے وہ ہمیں ہلکی سی اک آواز دیتے ہیں  
وہاں ہم جا پہنچتے ہیں محبت میں ہوا ہو کر  
سنبھالیں اپنے دل کو ہم کہ روئیں اپنی قسمت کو  
چلے ہیں اے نصیرِ زار! وہ ہم سے خفا ہو کر

---



بڑھاؤ اور نہ تم بدحواسیاں میری  
گھٹا سکو تو گھٹا دو اداسیاں میری  
مری اُنا سے بڑھیں خود شناسیاں میری  
ڈبو گئی ہیں مجھے ناسپاسیاں میری  
وہ دشمنی، کہ رہا جس پہ دوستی کا گماں  
نہ کام آسکیں مردم شناسیاں میری  
کفن بھی ہو گا مرا پاک صاف اور نیا  
رہیں گی قبر میں بھی خوش لباسیاں میری  
میں اُن کا ہوں، میں اُنہیں کی تلاش میں گم ہوں  
فریب دیں نہ مجھے خود شناسیاں میری  
ادا ہو یا کہ حیا، بے رُخی ہو یا کہ جفا  
اُنہیں ہے ناز، کہ سب ہیں یہ داسیاں میری  
نصیر ایک جھلک حُسن کی تھی ہوش رُبا  
بڑھا گیا ہے کوئی بدحواسیاں میری





سینکڑوں آکے رہے دل میں گماں ساری رات  
سچ کہو، تم نے گزاری ہے کہاں ساری رات  
ہر نفس پر تری آہٹ کا گماں ساری رات  
دل رہا ہے تری جانب گمراں ساری رات  
جُستجو میں تری تھک ہار کے بیٹھا نہ گیا  
دل جو دھڑکا، تو رہے اشک رواں ساری رات  
غیر کو بزم میں غیبت کا بہانہ مل جائے  
پھر تو لگ پائے نہ تالو سے زباں ساری رات  
دو گھڑی بھی ہے غنیمت مرے گھر میں رُکنا  
میں کہاں، آپ کہاں، اور کہاں ”ساری رات“  
وہ سرِ شام ذرا دیر کو آنکلی تھے  
جگمگاتا ہی رہا میرا مکاں ساری رات

چاند تاروں میں تری شکل نظر آتی ہے  
ہجر میں وصل کا رہتا ہے سماں ساری رات  
رات بھر رُخ بھی ادھر کا نہ کیا اُس نے نصیر  
خواب کیا، زیت رہی ہم پہ گراں ساری رات

---



نکرا گئی تھی اُن کی نظر سے نظر کہیں  
دل کو مرے نہ چینِ بلا عمر بھر کہیں  
ہو جائے کبھی نہ کبھی جلوہ گر کہیں  
سر پھوڑ لے نہ آپ کا آشفۃ سر کہیں  
قلب و نظر میں حشرِ بپا، جان مضطرب  
اس راہ سے ہوا نہ ہو اُن کا گزر کہیں  
اے چارہ ساز! سر نہ کھپا، اپنی راہ لے  
اچھا ہوا ہے عشق میں زخمِ جگر کہیں؟  
للا! آپ حُسن کے تیور سنبھالیے  
برباد ہو نہ جائے متاعِ نظر کہیں  
کسنا پڑے گی کھل کے مجھے داستانِ دل  
جب چھڑ گئی، تو بات ہوئی مختصر کہیں؟

مجروحِ نیشِ وقت کا اللہ رے علاج  
مرہم کہیں ہے ، زخم کہیں ، چارہ گر کہیں  
دل چاہتا ہے شامِ تمنا ، شبِ وصال  
لیکن ڈھلے تو غم کی کڑی دوپٹہ کہیں  
مجھ سے کھینچے ہوئے ہیں تو خوش ہیں وہ غیر سے  
اُس نے لگائی ہو نہ ادھر کی ادھر کہیں  
ملتا ہے آج کل ہمیں اک شخص اس طرح  
بیگانہ وار ، وہ بھی سرِ رگزر کہیں  
سُنتا ہوں ، لوٹ لیتے ہیں وہ اک نگاہ میں  
خود بھی نہ لُٹ گیا ہو مرا نامہ بر کہیں  
آئے ہیں آپ ، اور مرے گھر ، زہے نصیب  
دھوکا نہ کھا رہی ہو یہ میری نظر کہیں  
سوچیں تو ، کہہ رہے ہیں کسے بے وفا نصیر  
الزام آنہ جائے یہ اپنے ہی سر کہیں

---



جذبِ دل پر ناز تھا مجھ کو، مرے کام آگیا  
دُور جو رہتا تھا مجھ سے، وہ سرِ شام آگیا  
حُسنِ برساتا ہوا جب وہ سرِ بام آگیا  
میرے لب پر دفعتاً اللہ کا نام آگیا  
چارہ گر بولا کہ بچنے کی کوئی اب کر سبیل  
ہوک سی دل میں اُٹھی، لب پر ترانام آگیا  
جو گزرنی تھی وہ گزری، غم نہیں دل کا ہمیں  
کام آنا تھا محبت میں اسے، کام آگیا  
التفاتِ خاص سے دیکھا جو ساقی نے کبھی  
رند یہ سمجھے، کہ گردش میں کوئی جام آگیا  
بے ٹھکانے ہو کے رہ جاتے غم ورنج و ملال  
سچ تو یہ ہے، دل محبت میں بڑے کام آگیا

لطف فرما جب نگاہِ پیرِ میخانہ ہوئی  
خُم جھکا ، ساقی کھلا ، رند آگئے ، جام آگیا  
باغباں مسرور ، گلچیں شاد ، خوش صیاد بھی  
آج آخر کون گلشن میں تہِ دام آگیا  
گھر گئے کس واسطے غم کی گھٹاؤں میں نصیر  
کیا خیالِ گیسوئے جاناں سرِ شام آگیا؟

---



آمد و رفت ہے صبا کی طرح آئے وہ، چل دیئے ہوا کی طرح  
 برہمی اُس کی ہے سزا کی طرح زُلف سر چڑھ گئی بلا کی طرح  
 کم نہیں خونِ دل میں رنگینی رنگ لاتا ہے یہ حنا کی طرح  
 اُن کے عہدِ شباب سے خوش ہوں پڑ گئی خیر سے حیا کی ”طرح“  
 اور کچھ ہو نہ ہو بُتوں میں، مگر بے نیازی ہے کچھ، خدا کی طرح  
 چاند مائل بھی ہے، گریزاں بھی ہو بہو میرے دلربا کی طرح  
 سُرخرو کر دیا زمانے نے پس ڈالا ہمیں حنا کی طرح  
 راہزن، رہ نما نہیں ہوتے بات کرتے ہیں رہنما کی طرح  
 مے یقیناً حرام ہے، زاہد! گھونٹ دو گھونٹ پی، دوا کی طرح  
 میں بھی موجود ہوں جہاں میں مگر ایک کھوئی ہوئی صدا کی طرح  
 اُن کی اُلفت کا مدعی ہو کر دل ہے ناکام، مدعا کی طرح

زندگی کس کی ہو سکی ہے نصیر

یہ بھی ہے، ایک بے وفا کی طرح



عمر بیتی ہے حالِ غم کہتے      اور کیا داستان ہم کہتے  
 اپنی رُودادِ رنج و غم کہتے      کوئی سنتا تو اُس سے ہم کہتے  
 اڑے آتے ہیں داغِ دل، ورنہ      کوچہ یار کو اِرم کہتے  
 بات چھڑتی اگر تغافل کی      ہم ستم کہتے، وہ کرم کہتے  
 تُو نہ چھپتا اگر نگاہوں سے      لوگ پتھر کو کیوں صنم کہتے  
 وہ جو رسماً بھی مہرباں ہوتا      ہم اِسے عشق کا بھرم کہتے  
 حالِ غم کہہ رہا ہوں رُک رُک کر      دل دھڑکتا ہے ایک دم کہتے  
 نام کیوں لے لیا مقدر کا      اُن کی زلفوں کا ایک خم کہتے  
 کبھی ملتے، تو اپنا اپنا غم      ہم سے وہ، اور اُن سے ہم کہتے  
 ایک اُفتاد ہو، تو ذکر کریں      دم نکلتا ہے حالِ غم کہتے

کس نے اپنا نصیر! ساتھ دیا

کس کو دُنیا میں ہمقدم کہتے





ہاتھ آجائے مرے درد کا درماں کوئی

ایسی گردش بھی ہو، اے گردشِ دوراں کوئی

اب بجز قرب نہیں زیت کا امکاں کوئی

ورنہ ہوتا نہیں شرمندہ احساں کوئی

کھو چلا کوچہِ جاناں میں دل و جاں کوئی

یوں بھی اللہ، نہ ہو بے سرو ساماں کوئی

مطمئن سو نہ سکا خلق میں انساں کوئی

آہی جاتا ہے نظر خوابِ پریشاں کوئی

یوں ترے مصحفِ رخ پر ہیں نگاہیں اپنی

شوق سے جیسے تلاوت کرے قرآں کوئی

مضطرب میں بھی زمانے کی کڑی دھوپ میں ہوں

چاہتا ہوں کہ چھپا لے تیرے داماں کوئی

حُسنِ اکِ قہر ہے، آفت ہے، غضب ہے یارو!  
 دل لگائے نہ کہیں بھول کے انساں کوئی  
 آپ کی بات سمجھتا ہوں، کہوں، یا نہ کہوں  
 آپ دانا سہی، میں بھی نہیں ناداں کوئی  
 مسکراتے ہیں مجھے دیکھ کے دُنیا والے  
 میرے اللہ نہ ہو مجھ سا پریشاں کوئی  
 ہے یہ اقرار کی تکرار، کہ انکار کا رنگ  
 کہہ رہا ہے مری ہر بات پہ ”ہاں ہاں“ کوئی  
 ہم وفا پیشہ، کریں گے نہ وفا کا چرچا  
 کر کے احسان جتاتا نہیں احساں کوئی  
 میں یہ کہتا ہوں، کوئی تیرے دل میں جیسے  
 وہ یہ کہتے ہیں، مچلتا نہ ہو ارماں کوئی  
 کج کُلا ہوں سے نہیں خاک نشینوں کو غرض  
 اپنے گھر بیٹھے، جو ہو وقت کا سلطان کوئی  
 جب ذرا ترکِ تعلق کی چلے بات نصیر  
 تھام لیتا ہے بڑے پیار سے داماں کوئی



کہنے سُننے سے نہ آپس میں صفائی ہوگی  
کچھ کہا ہم نے تو بگڑو گے ، لڑائی ہوگی  
چشمِ صحرا میں نظر آئے نہی کے آثار  
ہاں سببِ اس کا ، مری آبلہ پائی ہوگی  
بس یہی سوچ کے لب بستہ ہیں تیرے خاموش  
مُنہ سے نکلے گی اگر بات ، پرانی ہوگی  
میرے نالوں میں تھا ارمانوں کا ماتم شامل  
رات بھر نیند کہاں کل اُنہیں آئی ہوگی  
کچھ وہ طبعاً بھی تھے شعلہ روش و گرم مزاج  
یار لوگوں نے بھی کچھ آگ لگائی ہوگی  
یوں کھلا ہے نہ کھلے گا یہ مُعتمدا دل کا  
زلف سلجھاؤ گے تو عُقدہ کشائی ہوگی  
الثقاتِ نگہ یار یہ کتا ہے نصیر  
اُس کی محفل میں کبھی اپنی رسائی ہوگی



عشق میں صبر کارگر نہ ہوا      آہ کی ، آہ میں اثر نہ ہوا  
نخلِ اُمید بارور نہ ہوا      جو نہ ہونا تھا ، عمر بھر نہ ہوا  
اتنا آساں نہیں کسی پہ کرم      آپ شرمائیں گے ، ار نہ ہوا  
ہم ہوئے لاکھ سب سے بیگانے      وہ نہ اپنا ہوا ، مگر نہ ہوا  
جس طرف انتظار میں ہم تھے      اُس طرف آپ کا گزر نہ ہوا  
غیر گھر کر گیا ترے دل میں      اک مرا تیرے دل میں گھر نہ ہوا  
ہم وفا کر کے بے وفا ٹھہرے      کوئی الزام تیرے سر نہ ہوا

میرے حالات سے نصیر اب تک

باخبر ، حُسنِ بے خبر نہ ہوا



حقیقت دیکھ لیں خود جوڑ کر تصویر کے ٹکڑے  
یہ میرے دل کے ٹکڑے ہیں، یہ اُن کے تیر کے ٹکڑے  
دُعا کی تھی تو تھوڑی دیر ظالم صبر کرنا تھا  
تری آہ و فغاں نے کر دیئے تاثیر کے ٹکڑے  
یہی جیب و گریباں تھے مرا سرمایہ لے دے کر  
بُخنوں نے کر دیئے آخر مری جاگیر کے ٹکڑے  
وفا کا ذکر بھی ہے، بے وفائی کی شکایت بھی  
جُدا اک دُوسرے سے ہیں تری تحریر کے ٹکڑے  
مخاطب ہے عدو، لیکن نشانہ میری چاہت ہے  
انہیں میں تیر سمجھوں، یا کہوں تقریر کے ٹکڑے  
اثر ہو کم سے کم اتنا تو سوزِ شمعِ محفل کا  
جو گل کترے، تو ہو جائیں وہیں گل گیر کے ٹکڑے

وفاؤں کا محل میں نے جتن کر کے بنایا تھا  
جفاؤں سے اڑائے تُو نے اس تعمیر کے ٹکڑے  
کھٹکتے ہیں تو دل محسوس کرتا ہے عجب لذت  
ترے طعنے کے نشتر ہوں کہ تیرے تیر کے ٹکڑے  
خزاں تک یہ قفس ہے، یہ اسیری ہے، یہ پابندی  
بہار آئی، تو ہو جائیں گے خود زنجیر کے ٹکڑے  
شراروں سے مری آہ و فغاں کے ہے فلک روشن  
یہ تارے ہیں، کہ میرے نالہ شہگیر کے ٹکڑے  
جو خط میں، میں نے اپنی غمزہ تصویر بھی بھیجی  
اڑائے خط کے پُرزے، کر دیئے تصویر کے ٹکڑے  
نہ چھوٹے اے نصیر! اب آستانِ مُرشدِ کامل  
ہلیں مجھ کو اسی در سے مری تقدیر کے ”ٹکڑے“

---



گھر سے دل تھامے ہوئے کیا نکلے  
 کاش ارماں مرے دل کا نکلے  
 یا تو لے جائے مجھے ساتھ اجل  
 تھا زمانے میں کرم کا شرہ  
 ہر قدم پر ہیں نگاہیں مشتاق  
 کر گیا کام ، تبسم اُن کا  
 ہم سمجھتے تھے جنہیں ماہ و نجوم  
 جب وہ سُنتے ہی نہیں بات مری  
 اُن کے ہمراہ ادائیں نکلیں  
 کوچہ یار میں ہم جا نکلے  
 گھر سے چل کر وہ ادھر آ نکلے  
 یا کوئی غم کا مداوا نکلے  
 آپ تو قہر سراپا نکلے  
 گھر سے بے پردہ کوئی کیا نکلے  
 جتنے شکوے تھے وہ بے جا نکلے  
 آپ کے نقشِ کفِ پا نکلے  
 کس طرح دل کی تمنا نکلے  
 وہ کبھی گھر سے نہ تمنا نکلے

مہرباں ہم پہ نہیں جب وہ نصیر

کس طرح حوصلہ دل کا نکلے



یہ کام ہم نے جنوں میں کیا کیا، نہ کیا  
ہوا جو چاک گریباں سیا سیا نہ سیا  
و فورِ شوق میں کیا اعتبار سانسوں کا  
رہا رہا نہ رہا میں، جیا جیا نہ جیا  
ہم آتے جاتے رہے میکدے میں شام و سحر  
شریکِ جام کسی نے کیا کیا نہ کیا  
پیالہ ہاتھ میں لینا ہی میگساری ہے  
بلا سے گھونٹ جو ہم نے پیا پیا نہ پیا  
ہمارا فرض تو یہ ہے کہ ہم گلہ نہ کریں  
صلہ و فاؤں کا اُس نے دیا دیا نہ دیا  
تمام عمر حسینوں کو ٹوٹ کر چاہا  
انہوں نے نام ہمارا لیا لیا نہ لیا



سلامِ شوقِ کیا ، جب کوئی ملا ہم کو  
جواب چاہے کسی نے دیا دیا نہ دیا  
چلے بھی آئیے ! کل کا کچھ اعتبار نہیں  
مریضِ ہجر ، سحر تک جیا جیا نہ جیا  
ہم اپنی منزلِ مقصود کی لگن میں رہے  
ہمارا ساتھ کسی نے دیا دیا نہ دیا  
خدا گواہ ! محبت تو کی ، وفا نہ سہی  
یہ ایک زہر کا پیالہ پیا پیا نہ پیا  
نصیرِ خیر سے ہو جائے گی حیاتِ بسر  
کسی کا ہم نے سہارا لیا لیا نہ لیا

---



اُن کی نظریں رازِ اُلفت پا گئیں  
آنکھوں ہی آنکھوں میں دل تک آگئیں  
حُسن کی کرنیں تھیں، سب پر چھا گئیں  
وقت کی رفتار تک ٹھہرا گئیں  
کیا بتائیں کیوں ہے آنکھوں میں نمی  
کچھ پرانی محفلیں یاد آگئیں  
خسرتیں جب تک تھیں، دل آباد تھا  
شہر ویراں ہو گیا، وہ کیا ”گئیں“  
چاند کی کرنوں کو تھا خود پر غرور  
تیرا جلوہ دیکھ کر شرما گئیں  
بے وفا ہو کر وفا کے تذکرے  
خیر سے باتیں بنانی آگئیں

اُن کے جلووں کی کرم فرمائیاں  
چاندنی سی میرے گھر برسا گئیں  
فتنہ ساماں تھیں نگاہیں آپ کی  
جس طرف اُنٹھیں قیامت ڈھا گئیں  
میں یہی سمجھا کہ وہ خود آگئے  
چاند کی کرنیں مجھے بہکا گئیں  
خوابِ غفلت میں نصیراب تک تھا میں  
زندگی کی ٹھوکریں چونکا گئیں

---



فراقِ غم ہے، وہ غم بھی اسے نہیں کہتے  
ستم تو یہ ہے، ستم بھی اسے نہیں کہتے  
بلا ہے زلف، یہ ہم بھی اسے نہیں کہتے  
حضور! ابرِ کرم بھی اسے نہیں کہتے  
کچھ ایسے لوگ، محبت کو غم کا نام دیا  
وہ لوگ بھی ہیں جو غم بھی اسے نہیں کہتے  
بلی تو دیدہ ساقی سے، تشنگی تو مٹی  
بہت نہیں ہے تو کم بھی اسے نہیں کہتے  
چراغِ جادہ اُلفت کو کیا کہے کوئی  
جو تیرا نقشِ قدم بھی اسے نہیں کہتے  
وہ ہاتھ رکھ کے مرے سر پہ، بات کرتے ہیں  
قسمِ خدا کی، قسم بھی اسے نہیں کہتے

تری نگاہ دل و جاں کی روشنی نہ سہی  
چراغِ دیر و حرم بھی اِسے نہیں کہتے  
معاف کیجیے بے اعتنا نظر سے ہمیں  
ستم نہیں، تو کرم بھی اِسے نہیں کہتے  
وَجُودِ عکسِ تجلی، نمودِ وہم و گماں  
عدم ہے، اور عدم بھی اِسے نہیں کہتے  
مشابہت ترے جلووں کی آفتاب میں ہے  
تری مثال تو ہم بھی اِسے نہیں کہتے  
وہ ہم سے کرتے ہیں باتیں ستم کے پردے میں  
نصیر! حُسنِ کرم بھی اِسے نہیں کہتے

---



کہتے ہیں کوئی مول نہیں دل کا، مگر ہے  
ہلکا سا تبسم ہے، اچھتی سی نظر ہے  
ہاں عشق نہیں اُن کو، مگر اُس کا اثر ہے  
تسکین کی صورت نہ ادھر ہے نہ ادھر ہے  
اپنے لئے آئینہ بنایا مرے دل کو  
مجھ پر یہ بڑا ہی کریم آئینہ گر ہے  
منزل پہ اُڑائے لیے جاتی ہیں ہوائیں  
ہر ذرہ مری خاک کا سرگرم سفر ہے  
اے ساقی میخانہ ! عنایت کی نظر ہو  
تھوڑی سی ملے مجھ کو بھی، شیشے میں اگر ہے  
کلیوں کا تکلم ہے تو پھولوں کا تبسم  
کس درجہ دل آویز، گلستاں کی سحر ہے  
اُس زلف کے پھندے میں نصیر آگئے آخر  
آپ اُن کے ہوئے، اُن کی بلا آپ کے سر ہے



اپنی گزری نہ کسی حال بھی آرام کے ساتھ  
خود بھی گردش میں رہے گردشِ ایام کے ساتھ  
بادہ نوشی ہو بڑے چین سے، آرام کے ساتھ  
چشمِ ساقی بھی جو گردش میں رہے جام کے ساتھ  
ہم تری زلفِ گرہ گیر سے کھل کھیلیں گے  
عمر گزری ہے ہماری قفس و دام کے ساتھ  
تیرگی جتنی بڑھی اتنے ہی چمکے آنسو  
روشنی میرے چراغوں کی بڑھی، شام کے ساتھ  
وہ مرا دل تھا، یہ میخانے کا دل ہے ظالم  
محتسب! مان بھی جا، ظلم نہ کر جام کے ساتھ  
میری رُسوائی میں ناداں! تری رُسوائی ہے  
نام تیرا بھی عبارت ہے مرے نام کے ساتھ

یہ الگ بات کہ محرومِ نظارہ تھی نظر  
اک تعلق تو رہا تیرے در و بام کے ساتھ  
یہ کرم کم ہے کہ وہ یاد کریں تجھ کو نصیر  
پیاد سے اب ہو ترا ذکر، کہ دشنام کے ساتھ

---





خلوصِ دل سے جو تُو ہم پہ مہرباں ہوتا  
مجال تھی کہ مخالف یہ آسماں ہوتا  
نصیب میں نہ اگر تیرا آستاں ہوتا  
تو کیا خبر کہ ٹھکانا مرا کہاں ہوتا  
تمہارا قُرب میسر جو میری جاں! ہوتا  
بہار ہوتی، چمن ہوتا، آشیاں ہوتا  
خُصوَرِ حُسن تو حرف و صدا ہے گستاخی  
بس ایک اشک بہت تھا، اگر رواں ہوتا  
یہ سب تمہارے تغافل کا اک کرشمہ ہے  
نہ تم بدلتے، نہ یوں نہیں ہی بدگماں ہوتا  
تمہارے دَم سے ہے میرا وجود، میری نمود  
تمہارا جلوہ نہ ہوتا تو میں کہاں ہوتا  
نصیر! اُن کو سنانا تھی داستانِ الم  
اگر نہ سلسلہ شوق درمیاں ہوتا



کوئی جائے طور پہ کس لئے کہاں اب وہ خوش نظری رہی  
نہ وہ ذوقِ دیدہ وری رہا، نہ وہ شانِ جلوہ گری رہی  
جو خلش ہو دل کو سکوں ملے، جو تپش ہو سوزِ دروں ملے  
وہ حیاتِ اصل میں کچھ نہیں، جو حیاتِ غم سے بری رہی  
جو خزاں کی گرم زوی بڑھی تو چمن کا روپ جھلس گیا  
کوئی غنچہ سر نہ اٹھا سکا، کوئی شاخِ گل نہ ہری رہی  
مجھے بس ترا ہی خیال تھا ترا روپ، تیرا جمال تھا  
نہ کبھی نگاہ تھی خور پر، نہ کبھی نظر میں پری رہی  
ترے آستاں سے جدا ہوا تو سکونِ دل نہ مجھے بلا  
میری زندگی کے نصیب میں، جو رہی تو ذرِ بدری رہی

ترا حُسن آنکھ کا نُور ہے ، ترا لُطف وجہِ سُور ہے  
جو ترے کرم کی نظر نہ ہو ، تو متاعِ دل نظری رہی  
جو ترے خیال میں گم ہوا تو تمام دوسوے مٹ گئے  
نہ جنوں کی جامہ وری رہی ، نہ خرد کی درد سری رہی  
مجھے بندگی کا مزا ملا ، مجھے آگہی کا صلہ ملا  
ترے آستانہٴ ناز پر ، جو دھری جیسیں تو دھری رہی  
یہ مہ و نجوم کی روشنی ترے حُسن کا تو بدل نہیں  
ترا ہجر ، شب کا ساگ تھا ، مرے غم کی مانگ بھری رہی  
رہِ عشق میں جو ہوا گزر ، دل و جاں کی کچھ نہ رہی خبر  
نہ کوئی رفیق ، نہ ہم سفر ، مرے ساتھ بے خبری رہی  
ترے حاسدوں کو ملال ہے ، یہ نصیر فن کا کمال ہے  
ترا قول تھا جو سُن رہا ، تری بات تھی جو کھری رہی



بٹنے بٹنے سے انحراف کیا  
 دل تمہاری طرف سے صاف کیا  
 یہ تو اُن کی پُرانی عادت ہے  
 بزم میں مہرباں ہوئے جو کبھی  
 ایک ہیں اُن کو اپنے بیگانے  
 اُس کی بخشش نے کی پذیرائی  
 جان کر اُن سے بے رُخی برتی  
 دیکھئے ! پھر خطا ہوئی سرزد  
 وہ مخالف نہ تھے ، مگر اُن کو  
 اُس نے انکار ، صاف صاف کیا  
 جاؤ ہم نے تمہیں مُعاف کیا  
 جو کہا ، اُس کے برخلاف کیا  
 تذکرہ قاف تا بہ قاف کیا  
 جو بلا اُس پہ ہاتھ صاف کیا  
 جب گناہوں کا اعتراف کیا  
 ہم نے اپنا حساب صاف کیا  
 آپ نے کیوں مجھے مُعاف کیا  
 دشمنوں نے مرے خلاف کیا

آج ہم نے نصیرِ مستی میں

کوچہ یار کا طواف کیا



جو کفن باندھ کے سر سے گزرے      وہ تری راہ گزر سے گزرے  
دل سے گزرے کہ جگر سے گزرے      ہم کو کیا، کوئی جدھر سے گزرے  
اُن میں شامل تھا مرے دل کا لہو      اشک جو دیدہ تر سے گزرے  
راستے بند، بلا کے پہرے      کوئی گزرے تو کدھر سے گزرے  
اور کوئی نہ چچا آنکھوں میں      آپ ہی آپ نظر سے گزرے  
دار کی راہ نہ گزرا کوئی      ایک ہم تھے جو ادھر سے گزرے  
آپ کی بزم میں آکر لاکھوں      جان سے، دل سے، جگر سے گزرے  
دیدہ و دل پہ قیامت گزری      بن سنور کر وہ جدھر سے گزرے

روک اشکوں کا یہ سیلاب نصیر

اس سے پہلے کہ یہ سر سے گزرے



نو گرفتارِ غمِ اُلفت ہوں اے ہدم ! ابھی  
درد اٹھتا ہے مرے دل میں ، مگر کم کم ابھی  
آشکارا ہو نہیں پایا ہے تیرا غم ابھی  
اے دلِ ناشاد ! تو فریاد کر پیہم ابھی  
میں بھی رُوٹھا آپ سے ، میں بھی ہوا برہم ابھی  
بے وفائیں بھی ہوں ، لیکن آپ سے کم کم ابھی  
دیدنی ہے دوستوں کا یہ خلوصِ پُر فریب  
دے رہے ہیں غم وہی ، جو تھے شریکِ غم ابھی  
سامنا ان کا میسر ہو تو پھر کھل کر برس  
اے سحابِ گریہ چشیمِ تمنا ! تھم ابھی  
ہم نے مستقبل کی سرحد پر کندیس ڈال دیں  
آپ کو کیا فکر ، ماضی کا کریں ماتم ابھی

دیکھ! لب پر آنہ جائے کوئی حرفِ آرزو

اے دلِ ناداں! مزاجِ یار ہے برہم ابھی

غیر ممکن ہے ترے غم کی پذیرائی نہ ہو

بے وفا! اتنے گئے گزرے نہیں ہیں ہم ابھی

رفتہ رفتہ ہو گئے احباب سب رخصت نصیر

میرے سینے میں مگر تازہ ہے اُن کا غم ابھی



یہ نظر کی زد ہے ظالم ، مرا دم نکل نہ جائے  
 مجھے صرف اس کا ڈر ہے کہ یہ تیر چل نہ جائے  
 وہ اٹھی ہے آتشِ غم کہ نفسِ نفس ہے سوزاں  
 مری رُوح تپ نہ اُٹھے ، مرا جسم جل نہ جائے  
 مرے رازداں سے ہنس کر وہ خطاب کر رہے ہیں  
 کہیں تھپکیوں میں آ کر کوئی راز اُگل نہ جائے  
 تری بزم میں جو ہم ہیں تو یہاں پہ غیر کیوں ہو  
 یہ خلش نکل نہ جائے ، یہ عذاب ٹل نہ جائے؟  
 وہ اٹھا رہے ہیں چلمن ، وہ دکھا رہے ہیں صورت  
 کہیں ہوش اُڑ نہ جائیں ، کہیں دل مچل نہ جائے  
 میں چراغِ ناتواں ہوں کوئی دم کا میہماں ہوں  
 مرے سامنے سے اٹھ کر کوئی ایک پل نہ جائے  
 وہ نصیر سن رہے ہیں مرے درد کا فسانہ  
 مجھے ہر گھڑی ہے دھڑکا کہیں رُخ بدل نہ جائے





تم اک نگاہ کبھی دل پہ ڈال کر دیکھو  
اس آئنے کی ذرا دیکھ بھال کر دیکھو  
چلو یہ زعم بھی اپنا نکال کر دیکھو  
تمہارے در پہ ہوں، اب مجھ کو ٹال کر دیکھو  
جواب تم کو ملے گا، سوال کر دیکھو  
ہماری آنکھوں میں آنکھیں تو ڈال کر دیکھو  
تمہاری راہ میں مٹنا ہے زندگی میری  
یقین نہیں تو مجھے پائمال کر دیکھو  
یہ غیر ہے، نہ کسی کا ہوا نہ ہوگا کبھی  
تم آستین میں یہ سانپ پال کر دیکھو  
بڑا ہی لطف تھا آپس کی اُس محبت میں  
جو ہو سکے تو وہ رشتے بحال کر دیکھو

ہزار تاڑنے والے ہیں ان اشاروں کے  
ادھر ادھر بھی ذرا دیکھ بھال کر، دیکھو  
جناب شیخ کسی کی کبھی نہیں سنتے  
نتیجہ کچھ بھی نہیں قیل و قال کر دیکھو  
خمار میں ہوں، تو رندوں کا امتحاں بے سود  
مزا تو جب ہے کہ ساغر اچھال کر دیکھو  
نظر کی ٹھیس لگے گی تو ہو گا چکنا چور  
دل آسنہ ہے، ذرا تم سنبھال کر دیکھو  
امید وصل نہیں، کچھ جواب تو دیں گے  
نصیر! آج تم ان سے سوال کر دیکھو

---



خُم کے بیٹھیں کبھی، ایسی بھی ملاقات تو ہو  
 تم کہو شام ہوئی، میں یہ کہوں رات تو ہو  
 کم سے کم غیر سے یوں ہنس کے نہ ہو سرگوشی  
 آپ کی بزم میں اتنی مری اوقات تو ہو  
 مجھ پہ یہ بارشِ الطاف، عدو بھی دیکھے  
 ہو نہ ہو کوئی، مگر آج وہ کم ذات تو ہو  
 بے سبب ترکِ تعلق پہ اُتر آئے تم  
 کوئی رنجش کا قرینہ ہو، کوئی بات تو ہو  
 بادۂ ناب کا کیا ہے وہ تو پی ہی لیں گے  
 مہرباں پہلے مگر پیرِ خرابات تو ہو  
 آج آئے ہیں تجھے دیکھنے تیرے سائل  
 دل کے کشکول میں دیدار کی خیرات تو ہو  
 جان و دل لے کے فقط آئے ہو محفل میں نصیر  
 دیکھ لینا تھا، کوئی کام کی سوغات تو ہو



خوشی کی زباں میں گفتگو کرنی بھی آتی ہے  
ہمیں اشکوں سے شرحِ آرزو کرنی بھی آتی ہے  
فقط ہاتھوں سے مہندی کو رچانا ہی نہیں آتا  
انہیں ہر آرزو میری لہو کرنی بھی آتی ہے  
نہیں دُشوار کوئی ، منزلِ مقصود کا ملنا  
سفرِ درپیش ہو ، تو جستجو کرنی بھی آتی ہے  
اُدب مانع ہے ، ورنہ بارگاہِ ناز میں جا کر  
ہمیں ہر بات اُن کے رُوبرو کرنی بھی آتی ہے  
کہیں ایسا نہ ہو گھبرا کے وہ محفل سے اُٹھ جائیں  
کہ اس ناچیز کو کچھ ہا د ہو کرنی بھی آتی ہے  
کسی کے مرتبے کا پاس ہے وقتِ سخن لازم  
تمہیں واعظ کسی سے گفتگو کرنی بھی آتی ہے؟

بہا کر خونِ دل ، ارمان سب اپنے لہو کر کے  
ترے کوچے کی مٹی سُرخرو کرنی بھی آتی ہے  
جنابِ شیخ اکثر میکدے سے بے پیے نکلے  
بحمد اللہ عبادت بے وضو کرنی بھی آتی ہے  
نصیر اپنوں کی عزت لوگ کرتے آئے ہیں، لیکن  
وہ ہم ہیں جن کو تعظیمِ عدو کرنی بھی آتی ہے

---



جو مہرباں تھا ستم گر ہوا، غضب کیا ہے  
الہی خیر، وہ جب کیا تھا اور اب کیا ہے  
یہ دوستی بھی ہوا اک دشمنی، عجب کیا ہے  
کبھی خفا ہو کبھی مہرباں، یہ سب کیا ہے؟  
نگاہ دیکھ رہی ہے، سمجھ نہیں سکتی  
خبر نہیں یہ تماشا ئے روز و شب کیا ہے  
یہ دل انہیں کا تھا، یہ جان بھی انہیں کی سی  
شکایت ان کو محبت میں ہم سے اب کیا ہے  
خدا گواہ! کہ میں ان سے مانگ لوں ان کو  
کبھی وہ پوچھ کے دیکھیں، مری طلب کیا ہے  
کہا یہ چارہ گروں نے، دوا ہے بعد کی بات  
پتہ چلے کہ ترے درد کا سبب کیا ہے

تمہارے وعدہ فردا کا اعتبار تو ہو

گزر ہی جائے گی، فرقت کی ایک شب کیا ہے

خدا گواہ، کہ اس پر مجھے گھمنڈ نہ تھا

مگر یہ حشر میں جا کر کھلا، نَسب کیا ہے

نصیر! دل کی خوشی پر ہے انحصارِ نشاط

اُداس دل ہو، تو پھر محفلِ طرب کیا ہے

---



آگے وہ میری چشمِ معتبر کے سامنے  
پردہ کب ٹھہرا نگاہِ پردہ در کے سامنے  
وہ پسِ چلمن ہیں ، ہم ہر دم نظر کے سامنے  
آج ہم دیوار بن بیٹھے ہیں ، در کے سامنے  
ان غریبوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتی دوا  
چارہ گر بے بس ہوئے دردِ جگر کے سامنے  
بُجھ گیا بزمِ فلک کا نور برساتا چراغ  
داغِ دل چکا جو خورشیدِ سحر کے سامنے  
دیکھتے اب اذنِ سجدہ کس کو ہوتا ہے نصیب  
سُر بہ خمِ دنیا کھڑی ہے سنگِ در کے سامنے  
ہم ظلمِ عرصہ ہستی میں کھو بیٹھے حواس  
کچھ کرشمے آگے ایسے ، نظر کے سامنے



حشر میں کھل جائے گا انساں پہ خود اپنا بھرم  
آئے جب اعمال سارے عمر بھر کے ”سامنے“  
اک ذرا دیوانگی کچھ اور ہونے دو فزوں  
بیچ ہے دیوارِ زنداں میرے سر کے سامنے  
میں نے لکھا تھا کہ دیں فوراً مرے خط کا جواب  
پُرزے پُرزے کر دیا خط نامہ بر کے سامنے  
غم نہیں کچھ حاسدوں کی حرف گیری کا نصیر  
رات کے تارے کہیں ٹھہرے سحر کے سامنے؟

---



وہ پھول ہوں کہ کھلا ہوں صبا کے رستے میں  
خزاں تو پھینک گئی تھی قضا کے رستے میں  
جنوں نے ساتھ دیا ہے وفا کے رستے میں  
خرد تو چھوڑ گئی مجھ کو لا کے رستے میں  
بہ زعمِ خویش مرے راہر بنے تھے جو لوگ  
پلٹ گئے وہی ، کانٹے بچھا کے رستے میں  
خداگواہ ، کہ طاری ہے جذب کا عالم  
اب آئے کوئی نہ اُن کے گدا کے رستے میں  
جسے ہماری طلب ہو ، وہ ہم تک آ پہنچے  
یہ کہہ رہے ہیں وہ پہرے بٹھا کے رستے میں  
برائے دید نہ آئے ، تو کیا کرے کوئی  
جسے ہیں آپ تو محفل جما کے رستے میں

وہ اپنے گھر میں بٹھا کر مجھے بُرا کہتے  
جلی کٹی نہ سنا تے بلا کے رستے میں  
کہا جو میں نے کہ میں بھی چلوں تمہارے ساتھ  
تو مجھ کو ٹال دیا مسکرا کے رستے میں  
ہزار قُرب ہو ، فطرت بدل نہیں سکتی  
دیارِ کُوفہ بھی ہے کربلا کے رستے میں  
کہاں سے دشتِ غریباں میں روشنی آئے  
چراغ کون جلائے ہوا کے رستے میں  
کبھی تو ہوگی رسائی نصیر اُس در تک  
غبار بن کے پڑے ہیں صبا کے رستے میں

---



جگمگانے لگی بام و در چاندنی  
ہر طرف آرہی ہے نظر چاندنی  
وہ نہیں ہیں تو برق و شرر چاندنی  
ڈھونڈ لے اب کوئی اور گھر چاندنی  
اُن کے جلووں کی تشریح ممکن نہیں  
سُر بہ سُر نُور ہیں ، سُر بہ سُر چاندنی  
یوں ہی کہتے نہیں اُن کو رشکِ قمر  
وہ جدھر ہوں گے ہوگی ادھر چاندنی  
تیرگی ، تیرگی ہی رہے گی سدا  
لاکھ پٹکا کرے اپنا سُر چاندنی  
میری تاریک قسمت کا عالم یہ ہے  
چاند بے نُور ہے ، بے اثر چاندنی

حُسن ہے اُن کا یوں بزم میں ضو قنن

جیسے چھائی ہو ماحول پر چاندنی

آگیا ہے مرا چاند شاید نظر

ہے اُفق تا اُفق جلوہ گر چاندنی

اُن کے جلووں میں گم ہو کے ممتاز ہو

ٹھوکر میں کھائے کیوں در بدر چاندنی

بے حجابانہ نکلیں نصیر آج وہ

میں بھی دیکھوں سرِ رگزر چاندنی



دل میں ارمان ، قہر ہو جیسے      کوئی طوفاں کی لہر ہو جیسے  
اب یہ عالم ہے آرزوؤں کا      دل میں آباد شہر ہو جیسے  
اللہ اللہ ، تلخیاں غم کی      جام ، تلخاپِ زہر ہو جیسے  
آنکھ سے اس طرح ہیں اشک رواں      خون کی ایک لہر ہو جیسے  
پی تو لیتے ہیں حضرتِ واعظ      لیکن ایسے ، کہ زہر ہو جیسے  
دل کی بربادیوں کا حال نہ پوچھ      کوئی ویران شہر ہو جیسے  
یوں تبسم ہے اُن کے ہونٹوں پر      مے کی ، ساغر میں لہر ہو جیسے

منہ بناتے ہیں اس طرح وہ نصیر

میری ہر بات زہر ہو جیسے



فیصلہ اُن کا ، ہمارا ، ہوگا      ایک دن ہونا ہے ایسا ، ہوگا  
 اک نہ اک دن یہ تماشا ہوگا      خونِ دل ، خونِ تمنا ہوگا  
 ہم جہاں ٹھہریں ، جدھر سے گزریں      وہی منزل ، وہی رستا ہوگا  
 ٹوٹی ہوگی قیامت اُس پر      جو ترے شہر میں بستا ہوگا  
 غیر پر آج جفا کی اُس نے      کل مرے ساتھ بھی ایسا ہوگا  
 جب نقاب آپ اُٹھاتے ہوں گے      ٹور ہی ٹور برستا ہوگا  
 جو مرے منہ پہ بُرائی کر دے      میرے حق میں وہی اچھا ہوگا  
 یوں تو ہونے کو حسین اور بھی ہیں      آپ سا کوئی مگر کیا ہوگا  
 میرا خاموش ہی رہنا بہتر      بات بڑھ جائے گی ، چرچا ہوگا  
 ہم بُرے ، سارے زمانے سے بُرے      کوئی اچھا ہے تو اچھا ہوگا  
 میکشوں سے نہ اُلجھ اے واعظ !      بے پیے مُفت میں رسوا ہوگا  
 بے مثالی کا غلط ہے دعویٰ      کوئی مجھ سا ، کوئی تجھ سا ہوگا

تم کو اُن کی جو تمنا ہے نصیر

چاہتے جاؤ ، جو ہوگا ، ہوگا



دل خوں ہو تو کیوں کرنے لہو آنکھ سے بر سے  
آخر کو تعلق ہے اسے دیدہ تر سے  
تن تن کے بہت آپ نہ نکلا کریں گھر سے  
ٹکراؤ نہ ہو جائے کہیں اہل نظر سے  
کچھ دیر تو اس قلبِ شکستہ میں بھی ٹھہرو  
یوں تو نہ گزر جاؤ اس اُجڑے ہوئے گھر سے  
ہر موج ہے طوفانِ حوادث کی حدی خواں  
مشکل ہے نکلنا مری کشتی کا بھنور سے  
یہ حُسن، یہ شوخی، یہ تبسم، یہ جوانی  
اللہ بچائے تمہیں بد میں کی نظر سے  
خورشید تو کیا، غیرتِ خورشید ہوا ہے  
وہ ذرہ جو اُبھرا ہے تری راہزور سے



نکلی نہ جو دیدار کی حسرت تو یہ ہوگا  
سُر پھوڑ کے مرجائیں گے دیوار سے، در سے  
سورج ہیں، سو شکوہ شکایات ہیں، لیکن  
مجبور ہیں، کچھ کہتے نہیں آپ کے ڈر سے  
صیادا! خدا خیر کرے اہلِ چمن کی  
دیکھے ہیں فضاؤں میں کچھ اُڑتے ہوئے پر سے  
وہ رُوٹھ گئے ہم سے، جدا اُن سے ہوئے ہم  
اب چھیڑ اُٹھے گی نہ ادھر سے نہ ادھر سے  
لوگوں کا حسد شعر کی شہرت سے بڑھے گا  
خوف آتا ہے خود مجھ کو نصیر اپنے ہنر سے

---



میں جو پہنچا تو برسنے لگے مجھ پر ٹکڑے  
چشمِ ساقی سے ہوئے شیشہ و ساغر ٹکڑے  
پہلے تو اُس نے کیے دل کے بہتر ٹکڑے  
اور پھر دیکھ رہا ہے وہ بلا کر ٹکڑے  
چاہئے مجھ کو ترے خوانِ کرم کا صدقہ  
مانگنے آیا ہوں میں بھی ترے در پر ٹکڑے  
شیشہ دل تری نظروں سے نہ ٹکرائے کہیں  
یہ نظر وہ ہے جو کر دیتی ہے پتھر ٹکڑے  
جرم ہے عرضِ تمنا، تو سزا دے قاتل !  
ہے یہی دل میں تو آ! دل کے مرے کر ٹکڑے  
میں ترے در کا بھکاری، ترے ٹکڑوں کا پلا  
جو ترے در سے بلیں، ہیں وہی بہتر ٹکڑے

حشر ہے اُس کی ادا اور قیامت ہے نظر  
دل تو دل، ہو کے رہے سدا سکندر ٹکڑے  
ہم فقیروں کا نہیں اور سہارا کوئی  
آپ تقسیم کیے جائیں برابر ٹکڑے  
شیشہ دل تھا مرا ٹوٹ گیا، ٹوٹ گیا  
چُن لئے آپ نے کیا سوچ سمجھ کر ٹکڑے  
میں تو ادنیٰ ہوں، مگر ہے مری نسبت عالی  
مجھ سے ٹکرائے، تو ہو مخت سکندر ٹکڑے  
مجھ گنگار پہ مولیٰ کی عنایت ہے نصیر  
بخش دیتا ہے مجھے اپنا سمجھ کر ”ٹکڑے“

---



بس اتنی کامرانی چاہتا ہوں      کسی کی مہربانی چاہتا ہوں  
شرابِ ارغوانی چاہتا ہوں      مگر وہ بھی پرانی چاہتا ہوں  
ڈبو دیجے مجھے سیلِ الم میں      اب اونچا سر سے پانی چاہتا ہوں  
نہ کھیلیں مجھ سے یوں الفاظ کا کھیل      محبت پر معافی چاہتا ہوں  
سہارا دو مجھے اپنی نظر کا      علاجِ ناتوانی چاہتا ہوں  
جو تیری زلف کے سائے میں گزریں      وہی راتیں سہانی چاہتا ہوں  
تمہیں کیوں بے وفا کہنے لگائیں      یہ تہمت خود اٹھانی چاہتا ہوں  
یہ زخمِ دل تو بھر جائے گا اک دن      کوئی اُن مٹ نشانی چاہتا ہوں

نصیر! الفاظ بے معنی رہے سب

اب اشکوں کی روانی چاہتا ہوں



اشتیاقِ دید تھا آخر ادھر جانا پڑا  
اُن کی محفل میں بہ اندازِ نظر جانا پڑا  
محو کر کے رنج و رسوائی کا ڈر، جانا پڑا  
تیرے کوچے میں نہ جانا تھا، مگر جانا پڑا  
عقل نے روکا بھی، دل تھا فتنہ گر، جانا پڑا  
بے بلائے بھی کچھ انسانوں کے گھر جانا پڑا  
سیرِ گل کا مرحلہ تھا دامِ ہمرنگِ زمیں  
لے چلی بادِ صبا ہم کو جدھر، جانا پڑا  
اول اول تو رہی دل سے مرے بیگانگی  
آخر آخر اُن کو شیشے میں اتر جانا پڑا  
مسکرانے کی سزا ملنی تھی صحنِ باغ میں  
پھول کی ایک ایک پتی کو بکھر جانا پڑا

دردِ پھر نے سے بہتر ہے کہیں کے ہو رہیں

ہم چلے جائیں گے اُس در تک، اگر جانا پڑا

بے رُخی اُن کی مسلسل دیکھ کر آخر نصیر

بزم سے اُٹھ کر ہمیں با چشمِ تر جانا پڑا

---



دل اگر بے غبار ہو جائے      حق کا آئینہ دار ہو جائے  
جو نظر آر پار ہو جائے      وہی دل کا قرار ہو جائے  
موت کس مُنہ سے آئے بالیں پر      تو اگر ایک بار ”ہو جائے“  
اک تبتم سہی ، وفانہ سہی      زندگی پُر بہار ہو جائے  
بے حد و بے حساب اُس کا کرم      دل اگر شرمسار ہو جائے  
آسنہ اپنے سامنے سے اٹھا !      یہ نہ ہو، خود سے پیار ہو جائے  
کھل کے ہر ایک سے ملیں جو نصیر !  
سُر پہ دنیا سوار ہو جائے



نہ ہوئے عیش و نشاط میں مجھے سیم و زر کی تلاش ہے  
جو سکونِ قلب عطا کرے، مجھے اُس نظر کی تلاش ہے  
جو ہے قبلہ گاہِ نگاہ و دل، اُسی سنگِ در کی تلاش ہے  
جو ترے حضور جھکا رہے، مجھے ایسے سر کی تلاش ہے  
ہمیں دردِ دل جو عطا ہوا تو نوائے عشق کی لے ملی  
اسے کھومیں گے نہ کسی طرح، یہ تو عمر بھر کی تلاش ہے  
اسی کشمکش میں ہے زندگی اسی رد و کد میں ہے آدمی  
کبھی دردِ دل کی ہے آرزو، کبھی چارہ گر کی تلاش ہے  
ترے حُسن سے جو طلوع ہو، ترے نُور سے جو شروع ہو  
مجھے ایسی ضو کی ہے جستجو، مجھے اُس سحر کی تلاش ہے



کوئی ساتھ ہو تو مزار رہے کہ اکیلے لطفِ سفر نہیں  
 کسی ہم قدم کی ہے آرزو، کسی ہم سفر کی تلاش ہے  
 یہ ہوائے شام و سحر کہیں ہمیں اور سمت نہ لے اڑے  
 تری رہگزر کی ہیں خاک ہم، تری رہگزر کی تلاش ہے  
 جو خسیں بھی پردہ نشیں بھی ہو، مری آرزو کا امیں بھی ہو  
 مجھے ڈھونڈنا ہے کہیں بھی ہو، مجھے اُس گھر کی تلاش ہے  
 کوئی غم گسار مرا نہیں، کوئی راز دار بلا نہیں  
 اُنہیں خط لکھوں بھی تو کیا لکھوں، ابھی نامہ بر کی تلاش ہے  
 جسے دیکھنے کی طلب رہی، کبھی میری جس نے خبر نہ لی  
 مرے دل کا چین تو ہے وہی، اسی بے خبر کی تلاش ہے  
 کہیں اور اپنا گزر نہیں، کہیں اور جائیں نصیر کیوں  
 وہی ایک در ہے نگاہ میں، اسی ایک در کی تلاش ہے



اُن سے ہر وقت مری آنکھ لڑی رہتی ہے  
کیا لڑا کا ہے کہ لڑنے پہ آڑی رہتی ہے  
دیکھ کر وقت کے مقتل میں مری شانِ وُرود  
ڈر میں قاتل ہی نہیں ، موت کھڑی رہتی ہے  
تیری تصویر مرے دل میں نگینے کی طرح  
جگمگاتی ہے ، چمکتی ہے ، جڑی رہتی ہے  
لوگ سچ کہتے ہیں پامالِ محبت مجھ کو  
میری چاہت ترے قدموں میں پڑی رہتی ہے  
آفتیں لاکھ ہوں ، دیکھا نہ کبھی چہرہ یاس  
مجھ کو اللہ سے اُمید بڑی رہتی ہے  
جو کبھی خونِ شہیداں سے حنا بند رہے  
اب اُنہیں پُھول سے ہاتھوں میں چھڑی رہتی ہے

یوں نہ اِترا ! کہ جوانی بھی ہے آئی جانی  
چاندنی چاند کی دوچار گھڑی رہتی ہے  
گریہ چشم کا اُلفت میں یہ عالم ہے نصیر !  
کوئی موسم بھی ہو ، ساون کی جھڑی رہتی ہے

---



کیجیے ! جو ستم رہ گئے ہیں      جان دینے کو ہم رہ گئے ہیں  
 بانٹ لیں سب نے آپس میں خوشیاں      میرے حصے میں غم رہ گئے ہیں  
 قافلے والے منزل پہ پہنچے      یہ نہ دیکھا کہ ہم رہ گئے ہیں  
 اب نہ اٹھنا سرہانے سے میرے      اب تو گنتی کے دم رہ گئے ہیں  
 یہ گلی کس کی ہے اللہ اللہ      اُٹھتے اُٹھتے قدم رہ گئے ہیں  
 کائناتِ جفا و وفا میں      ایک تم ، ایک ہم رہ گئے ہیں  
 دیکھ کر اُن کے منگتوں کی غیرت      دنگ اہلِ کرم رہ گئے ہیں  
 ہم سے اللہ والے کہاں اب      آپ جیسے صنم رہ گئے ہیں  
 دو قدم چل کے راہِ وفا میں      تھک گئے تم ، کہ ہم رہ گئے ہیں  
 وہ تو آکر گئے بھی کبھی کے      دل پہ نقشِ قدم رہ گئے ہیں  
 آج ساقی پلا شیخ کو بھی      اک یہی محترم رہ گئے ہیں  
 وہ گئے ، جن کے دم سے تھی رونق      اور رہنے کو ہم رہ گئے ہیں  
 اُن کی ستاریاں کچھ نہ پُوچھو      عاصیوں کے بھرم رہ گئے ہیں

دل نصیر اُن کا تھا ، لے گئے وہ

غم خدا کی قسم رہ گئے ہیں



رہنے لگی وہ زلفِ گرہ گیر سامنے  
ہر وقت اب تو ہے یہی زنجیر سامنے  
آتے ہیں خیر سے وہ نظر اب کبھی کبھی  
آنے لگی ہے خواب کی تعبیر سامنے  
ہو جائے گا محاسبہ دشمن کا خود بخود  
آجائیں گے فریب کے سب تیر سامنے  
اے دل! ذرا سنبھل کے اٹھانا ادھر قدم  
وہ دیکھ! وہ ہے زلف کی زنجیر سامنے  
بہنی منافقت پہ ہے یاروں کا یہ چلن  
تخفیر میری بعد میں ، تو قیر سامنے  
تدبیر سے بدل نہیں سکتے مقدرات  
ہو گا وہی ، جو لائے گی تقدیر سامنے

دیوانہ تو بہار میں صحرا کو چل دیا  
ٹوٹی پڑی ہوئی ہے وہ زنجیر سامنے  
کیا لکھ دیا ہے میں نے کہ تم ہو گئے خفا  
لاؤ تو اک ذرا مری تحریر سامنے  
ہنس کر نصیر سے بھی تو کچھ گفتگو کریں  
بیٹھا ہوا ہے آپ کا دل گیر سامنے

---



لوٹ لیں وہ دلِ حزیں! نہ کہیں  
 سخت مشکل ہے جستجو اُن کی  
 بُت کدہ ہو کہ آستانِ حرم  
 ہر طرف اُس کو ڈھونڈنے والے!  
 یوں تکلف نہ کر تسلی میں  
 برق سے آشیاں بچایا ہے  
 دو جہاں چھوڑ، دل میں ڈھونڈاے  
 چار تنکے ہیں آشیانے کے  
 آ! چھپا لوں تجھے کہیں نہ کہیں  
 کھو کے رہ جائیں اب ہمیں نہ کہیں  
 سر جھکانا تو ہے کہیں نہ کہیں  
 وہ چھپا ہو ترے قریں نہ کہیں  
 اور ہو جائیں ہم حزیں نہ کہیں  
 پھونک دے آہِ آتشیں نہ کہیں  
 دیکھ! موجود ہو یہیں نہ کہیں  
 رکھ ہی لیں گے! نہیں کہیں نہ کہیں

اپنے پتوار خود سنبھال نصیر!

ناؤ ہو جائے تہ نشیں نہ کہیں



کانپ اُٹھتی ہیں شاخیں تو لرزتی ہے صبا بھی  
وہ ضرب ہے غنچوں کے چٹکنے کی صدا بھی  
انسان کو جائز نہیں شک اس میں ذرا بھی  
صادق ہو طلب دل کی تو مل جائے خدا بھی  
پرکھو ہمیں ، ہے تم کو محبت جو ذرا بھی  
ہر قسم کا انسان ہے ، اچھا بھی بُرا بھی  
مدت ہوئی محروم تجلی ہیں نگاہیں  
اے شاہدِ اطلاق ! ذرا طور پہ آ بھی  
یہ کہہ کے مرے پاس سے رخصت ہوا ظالم  
ملتے ہیں اگر لوگ ، تو ہوتے ہیں جدا بھی  
اے گنبدِ افلاک ! نہ ہو برق پہ نازاں  
ہے شعلہ جوالہ مری آہِ رسا بھی



طے ہو گئے پل بھر میں مقاماتِ محبت  
جھپکی تھیں نگاہیں، کہ وہ آیا بھی، گیا بھی  
فرقت میں تو مرنا بھی گوارا نہیں مجھ کو  
تم سامنے آ جاؤ تو آ جائے قضا بھی  
اچھا ہوا عقدہ نہ کھلا میرے لہو کا  
خنجر ہی نہیں ہاتھ میں، ہے رنگِ جنا بھی  
وہ پرسشِ احوال کو آج آئے تھے شاید  
سنتے ہیں نصیر آپ نے کچھ اُن سے کہا بھی

---



محبت میں ہماری اشک افشانی نہیں جاتی  
بھری برسات ہے دریا کی طغیانی نہیں جاتی  
مصیبت ٹل نہیں سکتی ، پریشانی نہیں جاتی  
کسی کی بھی نصیحت عشق میں مانی نہیں جاتی  
جو کل تک دیر تھا ہم نے اُسے کعبہ بنا ڈالا  
مگر اس پر بھی اپنی کُفر سامانی نہیں جاتی  
مریضِ ہجر کو اب آپ پہچانیں تو پہچانیں  
فرشتے سے اجل کے شکل پہچانی نہیں جاتی  
تمہارا آستاں ہے اب ہماری آخری منزل  
کسی بھی دَر کی ہم سے خاک اب چھانی نہیں جاتی  
قیامت ہے تمہارا بن سنور کر سامنے آنا  
مرا کیا ذکر ، آئینے کی حیرانی نہیں جاتی

وہی خودداریاں ہیں، تمکنت ہے، بے نیازی ہے  
فقیری میں بھی اپنی شانِ سلطانی نہیں جاتی  
یہ ممکن ہے ترے کوچے میں رہ کر جان سے جائیں  
مگر تا مرگ تیرے در کی دربانی نہیں جاتی  
تری رنجش ہو، تیری بے رُخی ہو، بدگمانی ہو  
بڑی مشکل سے جاتی ہے، بہ آسانی نہیں جاتی  
تمہاری ناشناسائی کا شکوہ کیا کریں تم سے  
ہمیں سے جب ہماری شکل پہچانی نہیں جاتی  
جنونِ شوق سے جو بستیاں آباد ہوتی ہیں  
بہاریں لاکھ آئیں، اُن کی ویرانی نہیں جاتی  
محبت تو نصیر ایسا تلامُخیز دریا ہے  
سفینے غرق ہو جاتے ہیں، طغیانی نہیں جاتی

---



اُس کے کوچے کے کہاں تک کوئی چکر کاٹے  
اب سُنک دوش کرے یوں ، کہ مرا سر کاٹے  
صبحِ آلام ، شبِ غم ، کوئی کیوں کر کاٹے  
دن مصیبت کے کہاں تک دلِ مضطر کاٹے  
بے سُنتوں سے یہ اُبھرتی ہے صدائے شیریں  
کوئی فرہاد بنے ، تیشے سے پتھر کاٹے  
اُس سے پوچھے کوئی ایامِ اسیری کا عذاب  
زندگی اپنی جو صیاد کے گھر پر کاٹے  
نہ بلا تُو ، نہ ملاقات کی صورت نکلی  
مذتوں ہم نے ترے شہر کے چکر کاٹے  
زُلف وہ سانپ ، کہ لوٹے ہے ترے قدموں پر  
غیر کے شانوں پہ بکھرے ، تو برابر کاٹے

موت اچھی کہ پس مرگ سکوں ملتا ہے  
زندگی کون شب و روز تڑپ کر کاٹے  
ایسے وحشی کا اگر ہو تو ٹھکانا کیا ہو  
دشت میں جس کو نہ چین آئے، جسے گھر کاٹے  
ساقی کوثر و تنیم سے نسبت ہے نصیر!  
کیوں نہ دنیا مرے میخانے کے چکر کاٹے

---



تجلی کا ایسا اثر کس لئے ہے      ترا حُسن دیوانہ گر کس لئے ہے  
 خدا جانے وہ خود نگر کس لئے ہے      سدا آئینے پر نظر کس لئے ہے  
 تمہیں بھی اگر مجھ سے ہے کچھ محبت      تو پھر بے رُخی اس قدر کس لئے ہے  
 نہ ہو زخم اچھا یہ میرا مقدر      پریشاں دل چارہ گر کس لئے ہے  
 جگا کر مری چند تاریک راتیں      نہاں اب وہ رشکِ قمر کس لئے ہے  
 نہیں اذنِ سجدہ جو میری جبین کو      تو پھر یہ ترا سنگِ در کس لئے ہے  
 فلک پر ہیں کیا یہ بھی گم کردہ منزل      یہ تاروں کا ہر شب سفر کس لئے ہے  
 گیا، اور خط بھی انہیں دے کے پلٹا      یہ چُپ چُپ مگر نامہ بر کس لئے ہے  
 لگائے ہیں جو زخمِ دل پر، وہ دیکھو      گریزاں گریزاں نظر کس لئے ہے  
 اسیری جب اپنا مقدر ہی ٹھہری      قفس میں غمِ بال و پر کس لئے ہے  
 تلاش لے مرے چاند! تجھ کو ہے کس کی      تری چاندنی در بدر کس لئے ہے  
 چلے آئے آپ دل میں ہمارے      اے بندہ پرور! یہ گھر کس لئے ہے  
 اگر میں نہیں اُن کی محفل کے لائق      مرا ذکرِ شام و سحر کس لئے ہے

ذرا آنسوؤں سے ڈھلے فردِ عصیاں

نصیر آپ کی چشمِ تر کس لئے ہے



ہر اشارہ دشمنِ قلب و جگر لگنے لگا  
حُسن والوں کی نظر سے مجھ کو ڈر لگنے لگا  
جیسے دونوں میں ہو کوئی خاص قدرِ مشترک  
اب تو مجھ کو آپ کا گھر اپنا گھر لگنے لگا  
اس طلسمِ آباد ہستی کا ہر اک منظر ہمیں  
آپ کی جادو نگاہی کا اثر لگنے لگا  
کم نہیں آمد سے تیری، تیرے آنے کی خبر  
آج قاصد کا بیاں بھی معتبر لگنے لگا  
دیکھ کر صیاد کو، سکتے میں ہے مرغِ چمن  
بال و پر ہوتے ہوئے، بے بال و پر لگنے لگا  
نُکل گیا ہے اپنی آنکھوں پر رفاقت کا سَراب  
اب تو ہم کو اپنے سائے سے بھی ڈر لگنے لگا

جب جبینِ شوق نے دیکھا بہ چشمِ اعتقاد  
سارا عالم ہی تمہارا سنگِ در لگنے لگا  
انتہائے درد نے فطرت بدل ڈالی نصیر!  
غم مجھے کب زہر لگتا تھا، مگر لگنے لگا

---





بڑھ چلی دیوانگی ، اپنے سے ہیں بیگانہ ہم  
اُس نے کیا پھیریں نگاہیں بن گئے افسانہ ہم  
یہ تو ہم جس کے ہیں وہ جانے کہ کیا ہیں کیا نہ ہم  
کچھ اگر ہیں بھی تو بس خاکِ درِ جانانہ ہم  
ٹھان لی ہے آج رندوں نے یہ اپنے دل میں بات  
بزمِ ساقی میں پیئیں گے آج بے پیمانہ ہم  
گل کھلائے وحشتِ دل نے تو یہ عقدہ کھلا  
وہ گلستاں تھا جسے سمجھا کیے دیرانہ ہم  
بھول جاتے ہیں جو اپنے عہد ، اپنے قول کو  
ایسے لوگوں سے نہیں رکھتے کبھی یارانہ ہم  
جن سے بس صاحبِ سلامت تھی ، انہیں اپنا لیا  
غیر سب اپنے ہوئے بس ایک ہیں بیگانہ ہم

اُن کی رسوائی کا ڈر اب پاؤں کی زنجیر ہے  
جانکتے تھے کبھی اُن کی طرف روزانہ ہم  
ٹوٹتا ہے نشہ، اے پیرِ مغاں! اک جام دے  
پھر نہ یہ کہنا کہ تپٹ کر گئے میخانہ ہم  
مدعا یہ تھا سنائیں گے ہم اپنی داستاں  
بے خودی میں کہہ گئے تجھ سے ترا افسانہ ہم  
ہے ازل سے یہ تعلق اُن کے جلووں سے نصیر  
لاکھ دُوری ہو، مگر وہ شمع ہیں، پروانہ ہم  
کل نصیر اک جام کا بلنا ہمیں دشوار تھا  
آج آنکھوں میں لیے بیٹھے ہیں اک میخانہ ہم

---



تُو کہیں بدگماں نہ ہو جائے      جُستجو راگیاں نہ ہو جائے  
مہرباں آسماں نہ ہو جائے      یہ ”نہیں“ تیری، ”ہاں“ نہ ہو جائے  
عشق اُن کو بھی کر نہ دے مجھ سا      جو یہاں ہے، وہاں نہ ہو جائے  
آج تم حرفِ مدعا سُن لو      کل یہی داستاں نہ ہو جائے  
فاصلے ہیں دلوں کا دُکھ، ظالم!      پھر کوئی درمیاں نہ ہو جائے  
راتے منزلوں سے برگشتہ      گم کہیں کارواں نہ ہو جائے  
شرم سے یہ تری نگاہ کا تیر      کہیں جھک کر کماں نہ ہو جائے  
ہر کسی کو وفا کا ہے دعویٰ      دوستو! امتحاں نہ ہو جائے؟  
جو مرا غم بٹا سکے، وہ رہے      جو مرا رازداں نہ ہو ”جائے“

کیوں ہے دل کی بات دل میں نصیر!

آنسوؤں سے بیاں نہ ہو جائے؟



جس طرف آپ کے پیکانِ نظر جاتے ہیں  
اُس طرف لوگ لئے قلب و جگر جاتے ہیں  
جانے کیا دل میں خیالات گزر جاتے ہیں  
بیٹھے بیٹھے وہ جھجک اُٹھتے ہیں ، ڈر جاتے ہیں  
ہم کو معلوم ہے اُس بزم میں کیا کچھ ہو گا  
آزمانے کو نصیب آج مگر ”جاتے ہیں“  
کوئے قاتل میں جو دل جائے تو ہے شکر کی جا  
اس میں عشاق جب آتے ہیں تو ”سُر جاتے ہیں“  
اک تبسم کی تمنا میں جو آئے تھے یہاں  
وہ تری بزم سے بادیدہ تر جاتے ہیں  
اُن کے اظہارِ کرم میں یہ ستم کا انداز  
اُٹھ کے پہلو سے مرے ، غیر کے گھر جاتے ہیں

یہ ضروری نہیں تجھ کو ہی نظر سے دیکھیں  
مرنے والے تری تصویر پہ مر جاتے ہیں  
کیا عجب ہے، ترے دل تک بھی تپش آتی ہو  
تاثرِ تیا مری آہوں کے شرر جاتے ہیں  
ہم تو جینے کے لئے مرتے ہیں اُن پر ہر دم  
جن کو جینا نہیں آتا ہے، وہ مر جاتے ہیں  
میں تو میں، رشک میں اوروں کا بُرا حال ہوا  
داغ سے دل پہ لئے، شمس و قمر جاتے ہیں  
خون کے اشک نہ روئے تو کرے کیا کوئی  
سامنے سے وہ مرے ہنس کے گزر جاتے ہیں  
اُن کے جلووں سے نگاہیں مری روشن ہیں نصیر!  
آنکھ کی راہ سے جو دل میں اُتر جاتے ہیں

---



دُعائے وصل اک پندار بھی ہے      کہ اپنی جیت اُن کی ہار بھی ہے  
 خوشی بھی ہے، غم دشوار بھی ہے      محبت پھول بھی ہے، خار بھی ہے  
 ”نہیں“ کہہ کر نگاہیں جھک گئی ہیں      ترے انکار میں اقرار بھی ہے  
 شریکِ فتنہ روزِ قیامت      مری زنجیر کی جھنکار بھی ہے  
 جہانِ زندگی ہے اک مُعتما      بشر مجبور بھی، مختار بھی ہے  
 ازل سے عشق و حُسن اب تک ہم ہیں      جہاں دل ہے، وہاں دلدار بھی ہے  
 تمنائے تجلی حق بجانب      میسر، دیدہ بیدار بھی ہے؟  
 بساطِ عشق کی ہر چال اُلٹی      کہ جو کچھ جیت ہے وہ ہار بھی ہے

ادھر بھی اک عنایت کی نظر ہو

تمنائی نصیرِ زار بھی ہے



سنگ در دست بھی دوچار تو مل جاتے ہیں  
سر میں سودا ہو ، خریدار تو مل جاتے ہیں  
پھول کے روپ میں کچھ خار تو مل جاتے ہیں  
صرف کہنے کے لئے یار تو مل جاتے ہیں  
زُلفِ پُر تچ سے دم سادھ رہی ہے دنیا  
عاشقانِ لب و زُخار تو مل جاتے ہیں  
خوب رُو تم سا زمانے میں نہ دیکھا ، نہ سنا  
اور بھی ورنہ طرح دار تو مل جاتے ہیں  
میرے مطلب کی فضا میں نہ سہی گلشن میں  
شبنم و گل کے کچھ آثار تو مل جاتے ہیں  
آپ سے اب ہمیں کچھ اور ملے یا نہ ملے  
یہی کیا کم ہے کہ سرکار تو مل جاتے ہیں

دوسرا کوئی طریقہ نہیں دل ملنے کا  
ہاں جو آپس میں رہے پیار، تو مل جاتے ہیں  
تیری باتوں میں نہ شوخی، نہ حرارت، واعظ!  
سرد الفاظ کے طومار تو مل جاتے ہیں  
کبھی پچھڑے ہوئے دو دل نہیں ملتے، لیکن  
ساتھ دے وقت کی رفتار، تو مل جاتے ہیں  
بندشیں گردشِ ذوراں کی بہرگام سہی  
ملنے والے جو ہوں تیار، تو مل جاتے ہیں  
اور کچھ ہم میں نصیر اہل جہاں کو نہ ملے  
کم سے کم فقر کے آثار تو مل جاتے ہیں

---





اک قدمِ حلقہٴ وحشت سے نکالا نہ گیا  
دشت میں جان گئی ، پاؤں کا چھالا نہ گیا  
آکے بیٹھا تو نہ اٹھا وہ تری محفل سے  
پھر کہیں اور ترا چاہنے والا نہ گیا  
میرا دل تھا مرے پہلو میں حفاظت سے ، مگر  
آنہ لے تو لیا تم نے ، سنبھالا نہ گیا  
جان پیاری تھی ، مگر جان سے پیارے تم تھے  
جو کہا تم نے وہ مانا گیا ، ٹالا نہ گیا  
یہ بھی اُس زلفِ گرہ گیر کا نکلا ہمسر  
کوئی بھی تیجِ مقدر کا نکالا نہ گیا  
صرف اک بار ہی دیکھا تھا نظر بھر کے انہیں  
زندگی بھر مری آنکھوں کا اُجالا نہ گیا  
خاک میں بل گئے سب گوہرِ صد رنگ نصیر  
تجھ سے دامن پہ کوئی اشک سنبھالا نہ گیا



اشکوں سے فضا بھگو گئے ہم  
 آغوشِ لحد میں تو گئے ہم  
 مانا کہ تری خطا نہیں ہے  
 ہو سُنجِ قفس کہ سایہ گل  
 پلکوں پہ چمک رہے ہیں آنسو  
 کاٹے گا کوئی تو فصل آ کر  
 جاتے نہ کبھی اُس انجمن میں  
 آخر وہ چمن کے کام آئے  
 کس بات پہ تم تڑپ اٹھے ہو  
 بلوایا تھا بزم میں ، تو آئے  
 ٹھنڈک جو ملی تو سو گئے ہم  
 دنیا کے حواس کھو گئے ہم  
 برباد یہ کیسے ہو گئے ہم  
 نیند آئی جہاں بھی ، سو گئے ہم  
 موتی یہ عجب پرو گئے ہم  
 اخلاص کا بیج بو گئے ہم  
 یاد اُس نے کیا ہے تو، گئے ہم  
 آنسو جو لہو کے رو گئے ہم  
 کانٹا تو نہیں چبھو گئے ہم  
 کہتے ہو کہ جاؤ ، لو! گئے ہم

قسمت کے نصیر کھیل دیکھو

پایا جو اُنہیں ، تو کھو گئے ہم



کسی کے حُسن پہ دل کو گنوا کے بیٹھا ہوں  
حواس و ہوش کی دنیا لٹا کے بیٹھا ہوں  
بتوں کی بزم کو کعبہ بنا کے بیٹھا ہوں  
خدا گواہ! کہ گھر میں خدا کے بیٹھا ہوں  
کچھ اس ادا سے گلستاں میں آ کے بیٹھا ہوں  
گلوں کی چاہ میں خود کو لٹا کے بیٹھا ہوں  
خبر نہیں کہ مرا حال کیا، مال ہو کیا  
ابھی تو آپ کی محفل میں آ کے بیٹھا ہوں  
پھر آپ جام لیے آرہے ہیں میری طرف  
جنابِ شیخ! ابھی تو پلا کے بیٹھا ہوں  
اب اُن کی بزم کے دستور کیا بتاؤں میں  
کبھی نہ اُن سے ملا ہوں، نہ جا کے بیٹھا ہوں

بھٹک نہ جائیں اندھیرے میں وہ شبِ وعدہ  
چراغِ راہ میں اُن کی جلا کے بیٹھا ہوں  
اُنہیں نہ میری کوئی فکر ہے نہ میرا خیال  
وہ جن کے واسطے سب کچھ لٹا کے بیٹھا ہوں  
زمین پر نظر آتا ہے سرنگوں کیا کیا  
نصیر! چرخ کو نیچا دکھا کے بیٹھا ہوں

---



کتے سفاک مرے دل کے یہ مہماں نکلے  
خون پی کر ہی ترے تیر کے پیکاں، نکلے  
عشق میں جینے کا ممکن نہیں امکاں نکلے  
دل دیا اُس کو، کہ دیکھے سے جسے جاں نکلے  
سر پہ الزام لیا، اشک بداماں نکلے  
خُلد سے تھام کے دل حضرتِ انساں نکلے  
مجھ کو خود اپنی تباہی پہ بڑا رشک آیا  
وہ مرے حال پہ اس درجہ پشیمان نکلے  
اُن سے ملنے کا کسی روز نہ ارماں نکلا  
عمر گزری اسی ارماں میں، کہ ارماں نکلے  
دل اُداس، آپ خفا، اور مقدر ناخوش  
کون ایسے میں پئے سیرِ گلستاں نکلے

آپ سے لُطف و کرم کی بڑی اُمیدیں تھیں  
آپ بھی میرے لئے فتنہِ دوراں نکلے  
بے خودی دل کی مجھے لے کے جہاں پہنچی ہے  
کاش! منزل وہ مری کوچہِ جاناں نکلے  
بے خودی میں نہ ہوئی ہم کو نصیر اپنی خبر  
ہوش آیا تو ہمیں جلوۂ جاناں نکلے

---



جب اُن سے مری پہلی ملاقات ہوئی تھی  
اُس دن ہی قیامت کی شروعات ہوئی تھی  
اتنا ہے مجھے یاد ، کبھی بات ہوئی تھی  
رسمًا ہی سہی ، اُن سے ملاقات ہوئی تھی  
خط پڑھ کے خفا تو ہوا ، اور اُس نے کہا کیا؟  
قاصد! مرے بارے میں کوئی بات ہوئی تھی؟  
کچھ یاد نہیں بازیِ اُلفت کا نتیجہ  
تم جیت گئے تھے کہ ہمیں مات ہوئی تھی  
میں ہوں وہ رہِ عشق میں مظلوم مسافر  
منزل کے قریب آ کے جسے رات ہوئی تھی  
ہاں یاد ہے مجھ کو تری زلفوں کا بکھرنا  
برسا تھا یہ بادل ، کبھی برسات ہوئی تھی

محروم ہوں اب خواب میں بھی اُس کی جھلک سے

جس رُخ کی زیارت مجھے دن رات ہوئی تھی

یہ چاند یہ تارے بھی بتاتے ہیں چمک کر

تقسیم ترے حُسن کی خیرات ہوئی تھی

بیٹھے تھے سرِ بزمِ نصیر اُن کے قرین ہم

کل رات کی یہ بات ہے، کل رات ہوئی تھی

---







ہزاروں بار تیری انجمن میں ، میں گیا آیا  
کبھی تو بھی یہ کہہ دے میرا دل چاہا چلا آیا  
بلا کر خاک میں مجھ کو ، بتاؤ کیا مزا آیا  
تمہیں کیا مل گیا آخر ، تمہارے ہاتھ کیا آیا  
جو آیا بھی اُسے تو صرف اندازِ جفا آیا  
وفا کی راہ پر کب وہ وفا نا آشنا آیا  
وہ چونکے ، مجھ کو دیکھا ، اور ماتھے پر شکن آئی  
مرے غم کے فسانے میں جہاں ذکرِ وفا آیا  
اُنہیں لکھا ہے خط میں نے ، نتیجہ دیکھئے کیا ہو  
مرے قاصد کا دعویٰ ہے کہ بس میں اب گیا ”آیا“  
نہیں تھے وہ ، تو میخانہ تھا سونا ، جام ویراں تھے  
وہ آہنیچے تو پھر پینے پلانے کا مزا آیا

یہ کہہ کہہ کر پلا دی مجھ کو میخانے میں ساتی نے  
اُرے اب پی بھی لے، ایسا کہاں کا پارسا آیا  
نظر سے دُور ہو جاؤ، چلو، اُٹھو، ہوا کھاؤ  
نصیر اُن کی طرف سے یہ جوابِ مدعا آیا

---



کس تصور میں وہ کھو جاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
اپنے جی میں آپ شرماتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
پاس رہ کر جو ستم ڈھاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
جب چلے جائیں، تو یاد آتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
یوں ہم اپنے دل کو بہلاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
کوئے جاناں تک پہنچ جاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
اب تو وہ رہنے لگے ہر وقت مجھ سے بدگماں  
ہو بُرا اُن کا، جو بھڑکاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
فصلِ گل کیا آئی ہے، دیوارِ زنداں سے اسیر  
رات دن سر اپنا ٹکراتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
ہے غنیمت چند لمحوں کے لیے بل بیٹھنا  
دوست دنیا میں نکھڑ جاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے

کس کو یارائے سخن ، کس کو مجالِ گفتگو  
آپ جب خنجر ہی لراتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
میرے دل کی اُلجھنوں کا بھی کبھی کوئی خیال  
زُلف تو وہ اپنی سلجھاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
چشمِ حق آگاہ میں کیا قدر و قیمت اُن کی ہو  
چند سکوں پر جو اتراتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے  
آنہ ہے ، اور وہ ہیں ، اور میرا دل نصیر  
اُن کی بن آئی ہے ، تڑپاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے

---



لاکھ ڈھونڈا مگر نہیں ملتا      کوئی بھی ہم سفر نہیں ملتا  
 ہو نظر تو کدھر نہیں ملتا      وہ کہاں جلوہ گر نہیں ملتا  
 وہ بڑا بد نصیب ہے جس کو      آپ کا سنگِ در نہیں ملتا  
 ہم بھی اُس سے کبھی نہیں ملتے      ہم سے کوئی اگر نہیں ملتا  
 کھو گیا ہو جو راہِ اُلفت میں      وہ کہیں عمر بھر نہیں ملتا  
 گھر سے نکلے تو وہ نہ آیا ہاتھ      اب جو پلٹے تو گھر نہیں ملتا  
 عشق میں ترکِ جستجو ہے حرام      نہ ملے وہ ، اگر نہیں ملتا  
 ہم نہ بھولے سے بھی اُسے بھولے      جو ہمیں بھول کر نہیں ملتا  
 ہائے مُرغِ چمن کی تارا جی      دُور تک کوئی پر نہیں ملتا  
 اُس کو چل پھر کے ڈھونڈنے والو!      وہ سرِ رہگزر نہیں ملتا  
 کس سے اُسرارِ معرفت کہئے      کوئی بالغ نظر نہیں ملتا  
 جستجو ہو اگر ٹھکانے کی      کون کہتا ہے ، گھر نہیں ملتا  
 جلوہٴ ذات سے جو خالی ہو      کوئی ایسا بشر نہیں ملتا

غم کی برسات میں سنا ہے نصیر!

چاکِ زخمِ جگر نہیں "ملتا"



خزاں جو آئی ، بہاروں کا حال کیا ہو گا  
نظر نواز نظاروں کا حال کیا ہو گا  
نکل گئے ہیں ترے شہر سے ضرور ، مگر  
ترے فریب کے ماروں کا حال کیا ہو گا  
تمہاری مانگ کی افشاں پہ پڑ گئی جو نظر  
کوئی بتائے ، ستاروں کا حال کیا ہو گا  
حریمِ ناز میں جا کر جو بیٹھ جاؤ گے  
تمہارے سجدہ گزاروں کا حال کیا ہو گا  
گلوں کے چاکِ گریباں کو دیکھ ، اور نہ پوچھ  
کہ اُن کے سینہ فگاروں کا حال کیا ہو گا  
خرامِ ناز سے مطلب ، تری بلا جانے  
کہ ہم شکستہ مزاروں کا حال کیا ہو گا

تمہارے ہوتے کُلی چُپ ہے، گُل گریباں چاک  
تمہارے بعد بہاروں کا حال کیا ہوگا  
وہ موج، جس سے سفینوں کے دل لرزتے ہیں  
پھر گئی، تو کناروں کا حال کیا ہوگا  
کھلا ہے غنچہٴ دل، نیم باز آنکھوں سے  
تری نظر کے اشاروں کا حال کیا ہوگا  
کسی کو سامنے اُس کے نہیں مجالِ سخن  
نصیر! حشر میں یاروں کا حال کیا ہوگا

---



بہت کچھ ہم نے دیکھا، دیکھنے کو  
 میں خود اک قدِ آدم آئینہ ہوں  
 کہاں ساحل پہ موجوں کا تبسم  
 نکل آئے فلک پر چاند سورج  
 رہا دنیا میں اب کیا دیکھنے کو  
 دمِ آخر کروں گا راز افشا  
 ترا اپنا سراپا دیکھنے کو  
 مریضِ غم کا منکا ڈھل چکا ہے  
 انہیں آتا ہے دریا دیکھنے کو  
 تجھے دیکھے نہ کیوں سارا زمانہ  
 ترا نقشِ کفِ پا دیکھنے کو  
 مجھے آپ آئیں تنہا دیکھنے کو  
 چلو، اب رہ گیا کیا دیکھنے کو  
 کہاں بلتا ہے تجھ سا دیکھنے کو  
 وہی ظالم نہ اٹھا دیکھنے کو  
 کھڑی ہے ایک دنیا دیکھنے کو  
 زمانہ ہم نے دیکھا، دیکھنے کو  
 یہی باقی ہے رستا دیکھنے کو  
 ادھر دم دے دیا بیمارِ غم نے  
 ادھر آیا مسیحا دیکھنے کو

نصیر! اُن کی گلی میں کیوں گئے تھے

یہی، اپنا تماشا دیکھنے کو؟





گل و شبنم کے روپ میں ہوتے مسکراتے جو آپ ، ہم روتے  
 عمر گزری ہے رات دن روتے داغِ دل اور کس طرح دھوتے  
 تم مرے پاس جب نہیں ہوتے یاد کرتا ہوں جاگتے سوتے  
 عالم نزع دیکھنے کا تھا کاش ایسے میں آپ بھی ہوتے  
 بس اسی ڈر سے کی پسند وفا کاٹنا تھا وہی ، جو ہم بوتے  
 عشق نے رہنمائی کی ، ورنہ ہم کہیں ، اور وہ کہیں ہوتے  
 دل کو یوں اُس نگاہ نے چھیڑا میری آنکھوں کے کھل گئے "سوتے"  
 بے وفا تو کسی کو ہونا تھا تم نہ ہوتے اگر ، تو ہم ہوتے  
 جو کرے وہ بھرے ، مثل یوں ہے غیر کے ہم گناہ کیوں ڈھوتے  
 اُن کے دم سے ہے عاشقی کا وجود وہ نہ ہوتے ، تو ہم کہاں ہوتے

ہجر کی شب کہاں قرار ، نصیر !

چین کی نیند کس طرح سوتے



سب پہ احسان ہے ساقی ترے میخانے کا  
نشہ ہر رند کو ہے ایک ہی پیمانے کا  
لطف کر، ظلم سے قابو میں نہیں آنے کا  
لوگ دیکھیں نہ تماشا ترے دیوانے کا  
مدعا کس پہ عیاں ہو مرے افسانے کا  
راز ہوں میں، نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا  
تابشِ حُسن سے یہ رنگ ہے میخانے کا  
دل دھڑکتا ہے پھلکتے ہوئے پیمانے کا  
چشمِ ساقی ہے ادھر اور مراد دل ہے ادھر  
آج ٹکراؤ ہے پیمانے سے پیمانے کا  
اپنی ہی آگ میں جلنے کا مزا ہے کچھ اور  
حوصلہ شمع سے بڑھ کر نہیں پروانے کا  
واعظِ شہر نے کیوں بیعتِ ساقی کر لی  
اُس نے تو عہد کیا تھا مجھے بہکانے کا

زاہد و رند میں ایسی کوئی دوری تو نہیں  
فاصلہ ہے ، تو چھلکتے ہوئے پیمانے کا  
بات بے بات اٹھا دیتا ہے اک چھیڑ نئی  
بڑ گیا ہے اُسے چسکا مجھے تڑپانے کا  
بات کہتا ہے کچھ ایسی کہ نہ سمجھے کوئی  
یہ بھی اک غور طلب رنگ ہے دیوانے کا  
شیخ صاحب کبھی اپنوں کی طرح آ کے پیش  
مرتبہ غیر پہ کھلتا نہیں میخانے کا  
پیرِ میخانہ ! تری ایک نظر کافی ہے  
میں طلب گار نہ شیشے کا نہ پیمانے کا  
چشمِ ساقی کی توجہ تھی ، کہ آڑے آئی  
قصد و اعظ نے کیا تھا مجھے بہکانے کا  
ایک دو جام سے کیا پیاس بچھے گی ساقی !  
سلسلہ ٹوٹ نہ جائے کہیں پیمانے کا  
وہ بہار آئی نصیر اور وہ اُنٹھے بادل  
بات ساغر کی چلے ، ذکر ہو میخانے کا



رقصِ بسمل کے مناظر بھی ہیں کیا کیا ”دیکھیں“  
دل بہل جائے گا دیکھیں ، وہ تماشا دیکھیں  
ہنستے دیکھا ہے جسے کل ، اُسے روتا دیکھیں  
آج اٹھتا ہوا خوشیوں کا جنازا دیکھیں  
نور و ظلمت کی دو رنگی کے تماشے ہیں بہت  
ہم نمائشِ گرہِ ایجاد میں کیا کیا دیکھیں  
میری وارفتگی شوق پہ تنقید بجا  
آج تک آپ نے اُس کو نہیں دیکھا ، ”دیکھیں“  
آپ کے ساتھ عیادت کو نہ آئے کوئی .  
آپ بیمارِ غمِ عشق کو تنہا دیکھیں  
اپنی آنکھوں میں ہے اک غیرتِ یوسف کا جمال  
دیکھ بھر اُس کو کسی اور کو اب کیا دیکھیں

میں تو اک پیکرِ ناچیز ہوں سر تا بہ قدم  
مجھ کو کیا دیکھنا ، آپ اپنا سراپا دیکھیں  
آپ تو اپنے ہی پندار کے زندانی ہیں  
آپ دنیا سے بہت دُور ہیں ، دنیا دیکھیں  
ایک مدت سے نصیر اُن کے تمنائی تھے  
وقت آیا ہے کہ انجام تمنا دیکھیں

---



کبھی پریاں کبھی خنجر، نظریوں بھی ہے اور یوں بھی  
وہ قاتل درپے قلب و جگر یوں بھی ہے اور یوں بھی  
گلوں میں رنگ بن کر، چاند تاروں میں چمک بن کر  
ہمارے سامنے وہ جلوہ گریوں بھی ہے اور یوں بھی  
نگاہیں پھیر لے یا مسکرا کر دیکھ اے ظالم!  
ستم ہو یا کرم، تو معتبر یوں بھی ہے اور یوں بھی  
کوئی رحمت سمجھتا ہے، کوئی زحمت سمجھتا ہے  
حسینوں پر زمانے کی نظریوں بھی ہے اور یوں بھی  
لکھا ہم نے مفصل خط، بتایا ایک دنیا نے  
ہمارے حال کی اُن کو خبر یوں بھی ہے اور یوں بھی  
نویدِ وصل ہو، یا عذر ہو وعدہ خلافی کا  
دلوں پر اُن کی باتوں کا اثر یوں بھی ہے اور یوں بھی

حیات و موت دونوں کی حقیقت ایک ہی کہیے  
مسافر کے لئے شکلِ سفر یوں بھی ہے اور یوں بھی  
بلائیں ہم انہیں، یا خود وہ آئیں، اختیار اُن کو  
ہمارا خانہ دل اُن کا گھر یوں بھی ہے اور یوں بھی  
کبھی بہلا دیا مجھ کو، کبھی سرمستیاں دے دیں  
مرے ساقی کا اندازِ نظریوں بھی ہے اور یوں بھی  
نصیر اُس کا ٹھکانا ہے نہ صحرا میں نہ گلشن میں  
جو اُن کے دُور سے اُٹھا، در بدر یوں بھی ہے اور یوں بھی

---



کوئی اس دشتِ وفا میں نہ چلا میرے بعد  
ذرتے ذرتے پہ مرا نقش رہا میرے بعد  
یوں نہ پھر ہوگا کوئی نغمہ سرا میرے بعد  
اور ہی ہوگی گلستاں کی ہوا میرے بعد  
اس طرح کون اسیرِ خمِ کاٹل ہو گا  
کس کو اس آئے گی زنداں کی فضا میرے بعد  
پھر نہ پابندِ وفا ہوگا کوئی مجھ جیسا  
رکھے رہ جائیں گے آواپِ وفا میرے بعد  
میں نے تو زہر بھرے جامِ محبت میں پیے  
دیکھئے کس کو شرف ہو یہ عطا میرے بعد  
دستِ رنگیں پہ ترے کس کا لہو چمکے گا  
رنگ لانے سے رہا، رنگِ حنا میرے بعد



چشم و ابرو کے اشارات کھلیں گے کس پر  
کون سمجھے گا یہ غمزہ ، یہ ادا میرے بعد  
راہ سُنسان ، مکاں خستہ ، مکیں افسردہ  
کیسا ویران ہوا شہرِ وفا میرے بعد  
مجھ سا کوئی بھی نہیں تیرے وفاداروں میں  
اُڑ کے رہ جائے گا یہ رنگِ وفا میرے بعد  
میں ہی اک واقفِ آدابِ محبت ہوں نصیر  
مل کے ڈھونڈیں گے مجھے اہلِ وفا میرے بعد

---



قسمت سے جو اُن کا رُخ تاباں نظر آئے  
کیوں وجد کے عالم میں نہ انساں نظر آئے  
عارض ترے ، بالائے زرخداں نظر آئے  
اک رحل پہ دو دو ہمیں قرآں نظر آئے  
آئینہ بہ کف ، جلوہ بداماں نظر آئے  
ذرے جو قریب درِ جاناں نظر آئے  
ظاہر میں جو خاموش سے انساں نظر آئے  
باطن میں وہی فتنہ دوراں نظر آئے  
کچھ ایسے بھی اس دور میں انساں نظر آئے  
کیا کچھ تھے ، مگر بے سروساماں نظر آئے  
ممکن ہے توجہ بھی ، نوازش بھی ، کرم بھی  
اُن سے کوئی ملنے کا تو امکاں نظر آئے

فرقت میں جو سائے کی طرح ساتھ رہے ہیں  
قربت میں وہی لمحے گریزاں نظر آئے  
قسمت مری برگشتہ ہے، وحشت مری فطرت  
گُلشن کو بھی دیکھوں تو بیاباں نظر آئے  
بڑھ بڑھ کے بہاروں نے قدم چوم لیے ہیں  
جس راہ گزر میں وہ خراماں نظر آئے  
اللہ کرے تو نظر آئے نہ پریشاں  
آئے تو تری زلف پریشاں نظر آئے  
وہ شوخ جب آیا تو پھر اس شان سے آیا  
جو صاحبِ خانہ تھے، وہ مہماں نظر آئے  
کل تک نہ قدم گھر سے نکالا تھا جنہوں نے  
دُر دُر پہ نصیر آج وہ انساں نظر آئے



وفا داروں کو ساز آیا نہیں ہے  
رہیں سب کی نگاہیں آنسوؤں تک  
مقدر میں مرے خم آئے، لیکن  
بجز میرے، تمہاری انجمن میں  
گھلتے ہیں مرے نالوں سے پتھر  
ابھی محفل میں ہیں خوابیدہ فتنے  
پرکھ سکتے نہیں وہ دوست دشمن  
جفاؤں سے وہ باز آیا نہیں ہے  
نظر آئینہ ساز آیا نہیں ہے  
خمِ زلفِ دراز آیا نہیں ہے  
کوئی دانائے راز آیا نہیں ہے  
ترے دل میں گداز آیا نہیں ہے  
ابھی وہ فتنہ ساز آیا نہیں ہے  
شعورِ امتیاز آیا نہیں ہے

نصیر اُس انجمن میں کیا ہو رونق

جہاں وہ سروِ ناز آیا نہیں ہے



کئی پہنچے ترے دَر تک، کئی دیوار تک پہنچے  
بس اک ہم تھے کہ تیری جستجو میں دار تک پہنچے  
تماشا بن گئے، سُولی چڑھے، تلوار تک پہنچے  
پہنچنے والے لیکن جلوہ گاہِ یار تک پہنچے  
حسینوں کے یہاں انکار ہے اقرار سے پہلے  
نہیں کی رمز جو سمجھے، وہ خُوئے یار تک پہنچے  
مقدّر پر ہمیں غیروں کے اکثر رشک آتا ہے  
کہ ہم دَر تک نہ پہنچے اور وہ دربار تک پہنچے  
سیجا بن گئے، لیکن مسیجائی بھی کی تم نے؟  
کبھی بیمار کو پوچھا؟ کبھی بیمار تک پہنچے؟  
اڈیت آشنا ہونا پڑا یوں دشتِ ہستی میں  
مرے تلووں کے چھالے بڑھ کے نوکِ خار تک پہنچے

جنابِ شیخ نے پیمانہ رد کرنا نہیں سیکھا  
ہزاروں بار یہ توبہ سے استغفار تک پہنچے  
منا جب یہ کہ اُن کی گفتگو موتی لٹاتی ہے  
بھکاری بن کے ہم بھی اُس دُرِ دُربار تک پہنچے  
کبھی نامہ لکھا تو خود ہی لکھ کر، چاک کر ڈالا  
کہاں کا نامہ بر، کیوں کوئی میرے یار تک پہنچے  
نرالی چال دیوانوں کی تھی راہِ تمنا میں  
چلے، چل کے رُکے، رُک کر چلے، دلدار تک پہنچے  
نصیر! ایسا نہ ہو دشتِ وفا کی دُھوپ سے ڈر کر  
محبت سر چھپانے، سایہ دیوار تک پہنچے

---



اُداس گل ہیں، کوئی تازگی چمن میں نہیں  
جو وہ نہیں ہیں تو رونق ہی انجمن میں نہیں  
مذاقِ شکوہ مرے عشق کے چلن میں نہیں  
دہن میں رہ کے بھی گویا زباں، دہن میں نہیں  
مری نظر نے ترے حُسن میں جو دیکھا ہے  
وہ بانگین کسی مہِ وُش کے بانگین میں نہیں  
بکھر بکھر کے سمٹی ہے زلف اُس رُخ پر  
ابھی ہے چاند گہن میں، ابھی گہن میں نہیں  
شعورِ عشق جگر کاٹنا ہے پتھر کا  
شعارِ تیشہ زنی دستِ کوہکن میں نہیں  
ہمارا تذکرہ کس بزم کی نہیں رونق؟  
ہر انجمن میں ہمیں ہیں، کس انجمن میں نہیں

اسیرِ زلف! ابھی دامنِ فراق نہ چھوڑ  
سُحر کا تار ابھی شب کے پیرہن میں نہیں  
جو تیری چشمِ تغافل میں پائی جاتی ہے  
خداگواہ! وہ تلخی مئے کُنن میں نہیں  
غبارِ راہ وفا بن کے اڑ گئی ہوگی  
کہیں تو ہے، مری میت اگر کفن میں نہیں  
کسی کے عشق نے یوں در بدر کیا ہم کو  
ہماری خاک بھی اب دامنِ وطن میں نہیں  
نصیر! ڈوبتے تارے کو کس نے یاد کیا  
جو انجمن میں نہیں ہے، وہ انجمن میں نہیں

---





نظر اٹھی جدھر بھی ، ہم نے اُن کو جلوہ گر دیکھا  
 بہ قلبِ مطمئن دیکھا ، بہ چشمِ معتبر دیکھا  
 نہ ہم کو دیکھ لے کوئی یہ اطمینان کر دیکھا  
 اُنہیں دیکھا ، مگر پہلے ادھر دیکھا ، ادھر دیکھا  
 ستم جھیلے ، سمیٹے غم ، لگا دی جان کی بازی  
 جو ہم سے ہو سکا راہِ وفا میں ہم نے کر دیکھا  
 وہی ہوں جلوہ ساماں جس طرف واعظ! نظر اٹھے  
 اُنہیں کو جب نہیں دیکھا تو پھر کیا اپنا سر دیکھا  
 عجب سودا ہے بازارِ جہاں میں دل کا سودا بھی  
 منافع کم نظر آیا ، خساراً بیشتر دیکھا  
 ہماری وحشتِ دل کی نہ پوچھے داستاں کوئی  
 گئے ہیں بعد میں صحرا کی جانب ، پہلے گھر دیکھا

ہمیشہ احترامِ جلوہ میں جُھکتی رہیں آنکھیں  
کبھی ہم نے نظر بھر کر نہ اُن کو عمر بھر دیکھا

جو کل تک دُور تھے، وہ آج اپنے پاس بیٹھے ہیں

نصیر! اخلاص کی باتوں کا ہم نے یہ اثر دیکھا

---



ڈر گیا ، اور کانپ کانپ گیا  
ہجر میں یہ نفس کی آمد و شد  
غنجہ و گل کا دیکھ کر انجام  
بے کفن لاش تھی مسافر کی  
جس کو کل آستیں میں پالا تھا  
میرے اُن کے معاملات کا رخ  
وہ ستم ڈھائے آپ نے مجھ پر  
اپنے دشمن کو اب تو پہچانیں

میں کسی کی نظر کو بھانپ گیا  
ایک سانپ آیا، ایک سانپ گیا  
دل گلستاں میں کانپ کانپ گیا  
آکے طوفانِ گرد ، ڈھانپ گیا  
آج ڈس کر مجھے وہ سانپ ”گیا“  
اک نظر میں زمانہ بھانپ گیا  
قلبِ کوہِ گراں بھی کانپ گیا  
دیکھیے دیکھیے ، وہ سانپ گیا

عرصہ شوق میں نصیر اکثر

اتنا ڈوڑا ہوں میں، کہ ہانپ گیا



دیر سے تر سے ہوئے ہیں ایک پیمانے کو ہم  
کیا عجب اک گھونٹ میں پی جائیں میخانے کو ہم  
کیا محبت میں سنائیں اپنے افسانے کو ہم  
چین سے چینے کو وہ ، دکھ سے کے مر جانے کو ہم  
اپنے جلووں سے ہمیں حیراں بناتے جائے  
آئے ہیں اس بزم میں آئینہ بن جانے کو ہم  
اٹھ گئے یارانِ محفل ، مٹ گئیں دلچسپیاں  
رہ گئے ماضی کا ہر افسانہ ڈہرانے کو ہم  
جو زباں سے بات کہنی تھی ، نگاہوں نے کسی  
شرحِ اجمالِ کرم کہتے ہیں ، شرمانے کو ہم  
وحشتِ دل کے مطابق وسعتِ صحرا کہاں  
کیا نظر میں لائیں ایسے ویسے ویرانے کو ہم

تم تو کچھ سُننے سے پہلے ہی خفا ہونے لگے  
 وہ تو آئے تھے فقط اک بات سمجھانے کو ہم  
 ہم نہا ہیں دوستی ، وہ دشمنی کرتے رہیں  
 بھاڑ میں ڈالیں اٹھا کر ایسے یارانے کو ہم  
 دل مٹا ، ایماں گیا ، رُسا ہوئے ، باتیں سُنیں  
 آئے تھے کیا آپ کی محفل میں لُٹ جانے کو ہم؟  
 کس ادا سے کہہ رہے ہیں وہ مرے اصرار پر  
 رُک نہیں سکتے ، مگر آجائیں گے آنے کو ہم  
 دل پھر اپنا دل ہے ، یہ دھڑکن عذابِ جاں سہی  
 اپنے پہلو میں لیے بیٹھے ہیں دیوانے کو ہم  
 لے اڑیں صحرا کی جانب وحشتوں کی آندھیاں  
 گھر سے نکلے تھے گلستاں کی طرف جانے کو ہم  
 خیر سے ہم نے بھی دیکھی ہے بہت دنیا نصیر!  
 جانتے پہچانتے ہیں اپنے ، بیگانے کو ہم



عہد بچتہ کیا رندوں نے یہ پیمانے سے  
 خاک ہو جائیں گے، نکلیں گے نہ میخانے سے  
 میرے ساتی! ہو عطا مجھ کو بھی پیمانے سے  
 فیض پاتا ہے زمانہ ترے میخانے سے  
 یک بہ یک اور بھڑک اٹھتا ہے سمجھانے سے  
 کوئی کیا بات کرے آپ کے دیوانے سے  
 رند بل بل کے گلے روئے تھے پیمانے سے  
 جب مری لاش اٹھائی گئی میخانے سے  
 ہم تو کیا پیتے پلاتے سرِ میخانہ، مگر  
 دل لگی ہوتی رہی پھول سے، پیمانے سے  
 مجھ سے پوچھے کوئی، کیا مجھ پہ جنوں میں گزری  
 قیس و فرہاد کے قصے تو ہیں افسانے سے  
 واعظِ شر کی توبہ نہ کہیں ٹوٹی ہو  
 آج ہو حق کی صدا آتی ہے میخانے سے

کون یہ آگ لگا دیتا ہے ، معلوم نہیں  
 روز اُٹھتا ہے دُھواں سا مرے کاشانے سے  
 ترکِ ثابت قدمی ایک قیامت ہوگی  
 اور گھر جاؤ گے آلام میں ، گھبرانے سے  
 پالیا آپ کو ، اقرارِ محبت نہ کریں  
 بن گئی بات مری ، آپ کے شرمانے سے  
 رند کے ظرف پہ ساقی کی نظر رہتی ہے  
 اسے چلو سے پلا دی ، اُسے پیمانے سے  
 شیخ کے ساتھ یہ رندوں پہ قیامت ٹوٹی  
 پینے والے بھی نکالے گئے میخانے سے  
 باغباں ! پھونک ، مگر شرط یہ ہے گلشن میں  
 آگ پھولوں پہ نہ بر سے مرے نَسخانے سے  
 اس سے بہتر نہ ملے فرشِ سلینت شاید  
 ہم پکاریں گے اُنہیں بیٹھ کے ویرانے سے  
 بات سُنتے جو نصیرِ آپ ، تو اک بات بھی تھی  
 بات سُنتے نہیں ، کیا فائدہ سمجھانے سے



تجدیدِ حیات ہو گئی ہے      اُن سے مری بات ہو گئی ہے  
فطرت ہوئی خود شناس جب سے      آئینہٴ ذات ہو گئی ہے  
انساں! تری ان سولتوں سے      دشوار حیات ہو گئی ہے  
آیا ہے شباب جب سے اُن پر      کچھ اور ہی بات ہو گئی ہے  
اُلٹی ہی پڑیں جفا کی چالیں      اکثر اُنہیں مات ہو گئی ہے  
دل جب سے نہیں رہا ہمارا      ہر غم سے نجات ہو گئی ہے  
بڑھنے لگے گیسوؤں کے سائے      لگتا ہے کہ رات ہو گئی ہے  
اب تیرِ نظر نہ آزماؤ      ناکام یہ گھات ہو گئی ہے  
وہ لوٹ کے پھر ادھر نہ آئے      شاید کوئی بات ہو گئی ہے

زودادِ ستم نصیر! کب تک

سو جاؤ کہ رات ہو گئی ہے





نہ اٹھے حجاب سارے، مرے اُن کے درمیاں سے  
کبھی کچھ کہا نظر سے، کبھی کچھ کہا زباں سے  
ہوئیں بارشیں کرم کی، اُسی وقت آسماں سے  
جو لپٹ کے رو دیئے ہم ترے سنب آستاں سے  
جو بیاں ہو اُن سے قاصد! تو ذرا سنبھل سنبھل کر  
اُنہیں اضطراب ہو گا، مرے غم کی داستاں سے  
یہ فریب ہے مثالی، کہ ہیں دونوں ہاتھ خالی  
مجھے بل سکا نہ کچھ بھی، مری غمِ رائگاں سے  
کے صبر کا ہو یارا کہ اُلٹ چلی ہے قسمت  
نظر آرہے ہیں اب تو، مجھے وہ بھی بدگماں سے  
مجھے ساتھ ساتھ رکھا اسی دن کے واسطے کیا؟  
نہ چھڑائیں اب وہ دامن، مرے دستِ ناتواں سے

کہیں بن نہ جائیں اک دن ، یہی تیلیاں قفس کی  
جو گرے ہیں چند تنکے ، مری شاخِ آشیاں سے  
مری بات تو جو مانے ، تو یہ چھوڑ دے بہانے  
جو ”نہیں“ سے بات بگڑی ، وہ سنوار ایک ”ہاں“ سے  
ابھی حوصلے نکالو ، ابھی اور کچھ ستا لو  
شمہیں پھر پتہ چلے گا ، جو ہم اٹھ گئے جہاں سے  
وہ نہ پاسکیں گے منزل ، انہیں کچھ نہ ہوگا حاصل  
جو پچھڑ گئے ہیں قصداً ، سرِ راہ کارواں سے  
وہ حسین دورِ ماضی ، کسی طرح لوٹ آتا  
میرا سینہ پھٹ رہا ہے غمِ یادِ رفتگاں سے  
اُسے جانتی ہے دنیا ، اُسے مانتا ہے عالم  
جو نصیر کو لگن ہے ، ترے سگِ آستاں سے



چارۂ دردِ جگر سرکار رہنے دیجیے  
عمر بھر اپنا مجھے بیمار رہنے دیجیے  
آنکھ پُر نم ، والہ گفتار رہنے دیجیے  
اعتبارِ گرمی بازار رہنے دیجیے  
ذہن اپنا مطلعِ انوار رہنے دیجیے  
رات دن محوِ جمالِ یار رہنے دیجیے  
قرب کی یہ آخری صورت نہ مجھ سے چھینے  
در سے اٹھوایا ، پس دیوار رہنے دیجیے  
آپ مجھ سے اب نہ سُنئے گا کبھی کوئی گلہ  
ہو گیا جو ہو گیا ، اس بار رہنے دیجیے  
جو گزرنی تھی وہ گزری ، جو ستم تھا ہو چکا  
چھوڑیئے اس بات کو ، سرکار! رہنے دیجیے

آپ کے ہر حکم کی تعمیل میرا فرض ہے  
اس قدر تاکید، یہ اصرار رہنے دیجیے  
یا مرے غم کا مداوا کیجیے بندہ نواز!  
یا تباہی پر مجھے مختار رہنے دیجیے  
آپ کی قسمت ہسکوں، میرا مقدر اضطراب  
آپ سو جائیں، مجھے بیدار رہنے دیجیے  
میرے اظہارِ تمنا پر یہ کیسی برہمی  
بندہ پرور! چھوڑیے، سرکار! رہنے دیجیے  
کیوں مٹاتے ہیں نصیر آپ! اس طرح داغِ جلگر  
غم کے باقی کچھ نہ کچھ آثار رہنے دیجیے

---



پھرا کر اپنے رُخ کو پھیر میں چلمن کے بیٹھے ہیں  
وہ سچ مچ ہم سے ناخوش ہو گئے، یا بن کے بیٹھے ہیں  
غضب کیا ہے جو ہم کو چے میں اُس پُرفن کے بیٹھے ہیں  
کسی کو کیا غرض، مالک ہیں اپنے من کے ”بیٹھے ہیں“  
الہی! خیر دل کی، جان کی، چشمِ تماشا کی  
بلا کی شان سے محفل میں وہ بن ٹھن کے بیٹھے ہیں  
بٹھا کر پاس اُس نے دُور دل سے کر دیا ہم کو  
یہ کیا معلوم تھا پہلو میں ہم دشمن کے بیٹھے ہیں  
جنہوں نے جیتے جی مجھ سے نہ میرا حال تک پوچھا  
وہی اب سر جھکائے سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں  
کہاں ایسا مقدر تھا کہ ہوتا یہ شرف حاصل  
عنایت ہے کہ سائے میں ترے دامن کے بیٹھے ہیں

یہ میری بزم ہے آئینہ بندی عہدِ ماضی کی  
یہاں بلِ جُل کے کچھ ساتھی مرے بچپن کے بیٹھے ہیں

ستمِ صیاد کا برحق ، زباں اپنی بیاں اپنا  
قفس میں ہیں ، مگر قصبے لئے گلشن کے بیٹھے ہیں

حیات و موت ہیں دونوں ترے کوچے سے وابستہ  
جنازہ بن کے اٹھیں گے ، تمنا بن کے بیٹھے ہیں

نصیر! اُن کو کوئی پہچان لے ، یہ غیر ممکن ہے

کچھ ایسا رُپ بدلا ہے ، کچھ ایسے بن کے بیٹھے ہیں



دیکھیں وہ آ کے میرا تماشا خدا کرے  
میرے جنوں میں رنگ وہ پیدا خدا کرے  
تم پر جفا کرے، کوئی تم سا خدا کرے  
کچھ اور ہو نہ ہو، مگر ایسا خدا کرے  
لے انتقام کوئی ہمارا، خدا کرے  
تم سے بھی ہو وفا کا تقاضا، خدا کرے  
دل ہے ملول، اور نگاہیں اداس ہیں  
بل جائے کاش! تیرا سہارا خدا کرے  
میں نے کہا، کہ مجھ پہ کبھی مہرباں تو ہوں  
ہنس کر کہا، خیال ہے اچھا ”خدا کرے“  
وہ بل گئے، نگاہ ملی، دل سے دل بلا  
اب اس کرم کے بعد کہو، کیا خدا کرے

دُنیا سجائی ، ہم کو بنایا ، مٹا دیا

دیکھیں اب آگے اور بھی کیا کیا خدا کرے

دل کو یقین ہے اُن کی ملاقات کا نصیر

اب دیکھیے کرم وہ کریں ، یا خدا کرے

---





دیدہ تر میں کہاں پھر شبِ غم رکتے ہیں  
اشک اک بار جو چل نکلیں ، تو کم رکتے ہیں  
آکے چل دیتے ہیں ، مسجد میں یہ کم رکتے ہیں  
میکدے ہی میں بس اب شیخِ حرم رکتے ہیں  
دشمنوں پر بھی وہی جُود و سخا کا عالم  
اپنی بخشش سے کہیں اہلِ کرم رکتے ہیں  
جیسے پاؤں میں کوئی ڈال رہا ہو زنجیر  
جانے یہ کس کی گلی ہے کہ قدم رکتے ہیں  
آہی جاتا ہے خیال آپ کی رسوائی کا  
نالے آ آ کے لبوں تک شبِ غم رکتے ہیں  
اک ترا ذکر کہ سر خم ہے عقیدت سے مرا  
اک ترا نام کہ ہیبت سے قلم رکتے ہیں

وہ تو ہم رُک گئے کیا سوچ کے معلوم نہیں  
بر ملا کہنے سے ورنہ کہیں ہم رُکتے ہیں  
گرچہ رُکنے کی نہیں اب کوئی صورت باقی  
پھر بھی تُو روکے تو ہم تیری قسم، رُکتے ہیں  
حضرتِ دل سے نصیر آج یہ کہنا ہے ہمیں  
آپ اُس بزم میں جاتے ہیں، تو ہم رُکتے ہیں

---



شوق سے اُس کی گلی میں جاؤ تو  
 حضرتِ دل ! ہو گیا پتھراؤ ”تو“  
 حرمتِ مے بے پیئے سمجھاؤ تو  
 شیخِ صاحب ! میکدے میں آؤ تو  
 ڈھونڈنی ہے اپنی قسمت کی لکیر  
 ہم بھی دیکھیں ، ہاتھ ادھر تم لاؤ تو  
 دو گھڑی کی بات ہے ، تکرار کیا  
 دو گھڑی کو تم مرے گھر آؤ تو  
 ہو ہی جائیں گے وہ آخر مہرباں  
 باتوں باتوں میں انہیں بہلاؤ تو  
 دشت کے کانٹو ! لہو پینا ، مگر  
 کچھ دنوں تلوے مرے بہلاؤ تو

پھر چلا لینا نظر کے تیر تم  
 دل کے بھر لینے دو پہلے گھاؤ تو  
 شوخیوں سے ، ناز سے ، انداز سے  
 ہم بہک جائیں گے ، تم بہکاؤ تو  
 گفتگو میں پیار کے دو بول تھے  
 پھر وہی فقرہ ذرا دہراؤ تو  
 چل نہ دیں دیوارِ زنداں توڑ کر  
 وحشیوں کو بیڑیاں پہناؤ تو  
 میری قسمت کے نکل جائیں گے بل  
 اپنی زلفوں کو ذرا سلجھاؤ تو  
 جا رہا ہے وہ جنازہ عشق کا  
 مار ڈالا ہے جسے ، دفناؤ تو  
 تاکہ اُن سے توجہ کی طلب  
 نامناسب ہی رہا برتاؤ ”تو“  
 جا رہا ہوں میں نصیر اُن کی طرف  
 درمیاں میں پڑ گئے الجھاؤ ”تو“



ہم کو ہے مطلوب ہر دم خیر خواہی آپ کی  
تا ابد قائم رہے ہر آن شاہی آپ کی  
پردہ معصومیت میں قتلِ عاشق بیدریغ  
اللہ اللہ یہ ادائے بے گناہی آپ کی  
ختم ہی کر دیں گے مجھ کو آخر الامر ایک دن  
یہ تغافل آپ کا ، یہ کم نگاہی آپ کی  
آفتِ دل آفتِ جاں دشمنِ ایمان و دیں  
یہ ادا و ناز یہ کافر نگاہی آپ کی  
یہ وفاداری جہاں میں ملے گی آپ کو  
ہم نے جس انداز سے الفت نباہی آپ کی  
آپ نے حق میں ہمارے کی بُرائی عُمر بھر  
عافیت حق سے ہمیشہ ہم نے چاہی آپ کی

حضرتِ دل! یہ ارادہ اور یہ حُسنِ طلب  
لاج رکھے گا محبت میں خدا ہی آپ کی  
آپ ایسے ہیں کہ اپنوں کو سمجھتے ہی نہیں  
ہم نے کر دیکھی ہے برسوں خیر خواہی آپ کی  
لُٹ لیتی ہے نصیرِ بے نوا کو عشق میں  
دلربائی ، کج ادائی ، کج کلاہی آپ کی  
کیا کریں شکوہ کسی کا ہم محبت میں نصیر  
اپنے ہاتھوں ہم نے جب اپنی تباہی آپ کی

---



ستم پر شرطِ خاموشی بھی اُس نے ناگہاں رکھ دی  
کہ اک تلوار، اپنے اور میرے درمیاں رکھ دی  
یہ پوچھا تھا کہ مجھ سے جنسِ دل لے کر کہاں رکھ دی  
بس اتنی بات پر ہی کاٹ کر اُس نے زباں رکھ دی  
پتہ چلتا نہیں، اور آگ لگ جاتی ہے تن من میں  
خدا جانے، کسی نے غم کی چنگاری کہاں رکھ دی  
چڑھاوے چڑھ رہے تھے ثربتِ بلبیل پہ پھولوں کے  
مگر ہم تھے کہ ہم نے لا کے شاخِ اشیاں رکھ دی  
بتاؤ! کیا کیا تم نے مراد دل چھین کر مجھ سے  
یہ ایسی شے نہیں تھی جو یہاں رکھ دی، وہاں رکھ دی  
ادا ہوتے رہیں گے اُن کے دُر پر عُمر بھر سجدے  
مَشیت نے مری قسمت میں خاکِ آستاں رکھ دی  
شریکِ بزم تھا واعظ تو سامانِ ضیافت میں  
ذرا سی ہنس کے ساقی نے بہ طورِ امتحان ”رکھ دی“

بہار آنے پہ گلشن تک رسائی جب ہوئی مشکل  
 قفس کی تیلیوں پر ہی بنائے آشیاں رکھ دی  
 صبا نے احترامِ جذبِ دل کا پاس یوں رکھا  
 اٹھا کر لاشِ بلبلی کی گلوں کے درمیاں رکھ دی  
 مراد دل چھید کر آنکھیں جھکا لیں اُس ستمگر نے  
 کہوں اب کیا کہ اُس نے تیر برسا کر کہاں رکھ دی  
 زمانہ کیا کے گا آپ کو ، اس بدگمانی پر  
 مری تصویر بھی دیکھی ، تو ہو کر بدگماں ”رکھ دی“  
 مرے حرفِ تمنا پر چڑھائے حاشیے کیا کیا  
 ذرا سی بات تھی ، تم نے بنا کر داستاں رکھ دی  
 جو آیا بتکدے میں ، اُس نے سجدوں پر کیئے سجدے  
 الہی ! تُو نے کیا شے ان بتوں کے درمیاں رکھ دی  
 تنے ہیں تیر مڑگاں کے ، کھنچے ہیں اُن کے دو اُبرو  
 کہاں کے ساتھ ہی اک اور قدرت نے کہاں رکھ دی  
 نصیر اب کس سے شکوہ کیجیے ، یہ شکر کی جا ہے  
 بہاروں کی طلب تھی ، اُس نے قسمت میں خزاں رکھ دی





یہ زمانہ یہ دور کچھ بھی نہیں  
 اک ادا ہے بس اور کچھ بھی نہیں  
 اک تری آرزو سے ہے آباد  
 عشق ، رسم و رواج کیا جانے  
 وہ ہمارے ہم اُن کے ہو جائیں  
 جلنے والوں کو صرف جلنا ہے  
 چشمِ ساقی کا فیض ہے سب کچھ  
 دونوں عالم میں بس تمہیں تم ہو  
 آسنہ خانہ وجود و عدم  
 اک تماشا ہے اور کچھ بھی نہیں  
 یہ جفائیں یہ جور کچھ بھی نہیں  
 ورنہ اس دل میں اور کچھ بھی نہیں  
 یہ طریقے یہ طور کچھ بھی نہیں  
 بات اتنی ہے اور کچھ بھی نہیں  
 اُن کی قسمت میں اور کچھ بھی نہیں  
 جام و ساغر کا دور کچھ بھی نہیں  
 دونوں عالم میں اور کچھ بھی نہیں  
 دیکھئے جب بغور! کچھ بھی نہیں

اے نصیر! انتظار کا عالم

اک قیامت ہے اور کچھ بھی نہیں



آج مل کر بھی اُن سے نہ کچھ بات کی  
ہائے مجبوریاں میرے حالات کی  
صبح کو بخش دی ، جو بچی رات کی  
یہ عنایت ہے پیرِ خرابات کی  
تیز تر کیوں نہ ہو شعلہ آرزو  
ہجر کی رات ، پھر وہ بھی برسات کی  
اللہ اللہ مجازِ حقیقت نما  
وہ بشر ہے ، کہ تصویر ہے ذات کی  
وہ جو خود دار ہے ، میں بُرا کیوں کہوں  
اس صفت میں جھلک ہے مری ذات کی  
حاصلِ زندگی ، عشق کا ماخصل  
چند گھڑیاں وہ اُن سے ملاقات کی

شکر کر، اُس کا شکوہ نصیر اب نہ کر

کل وہ آیا، مخاطب ہوا، بات کی

اے نصیر! اُن کو اپنا بنالیں گے ہم

کوئی صورت تو نکلے ملاقات کی

---



داغ ہیں دل میں، ہار پھولوں کا  
 عارضی ہے نکھار پھولوں کا  
 بڑھ گیا اعتبار پھولوں کا  
 ہے چمن میں خزاں کی یہ سازش  
 اُن کی کانٹوں میں زندگی گزری  
 وہ نہیں تو چمن ہے ویرانہ  
 ہمتفلس چھیڑتے ہیں کیوں مجھ سے  
 مسکرائے نہ تھے کہ مُرجھائے  
 جب چمن میں خزاں کا ڈیرا ہو  
 دیکھتے دیکھتے خزاں آئی  
 اور کیا جلوۂ بہارِ چمن  
 اک تماشا ہے چار پھولوں کا  
 یوں بھلا ہے نصیرِ داغِ جگر  
 جیسے ہو تاجدار پھولوں کا



جہاں دیدہ و دل اب لٹا معلوم ہوتا ہے

نظر کی اوٹ میں کوئی چھپا معلوم ہوتا ہے

طبیعوں کو مرا دکھ لا دوا معلوم ہوتا ہے

مگر اب تم بتاؤ، تم کو کیا معلوم ہوتا ہے

جگر میں درد پہلے سے سوا معلوم ہوتا ہے

دہانِ زخم اب کھلنے لگا ”معلوم ہوتا ہے“

چھپا بیٹھا ہے آخر کون میرے سازِ ہستی میں

بہر پردہ کوئی صرفِ نوا معلوم ہوتا ہے

نمودِ زندگی کے روپ میں رنگِ قضا نکھرا

ستم بھی آپ کا کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے

جمالِ یار! تو نے دل پہ قابو پالیا آخر

ترا جاؤ بڑا چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے

جدھر نظریں اٹھاؤ ایک عالم ہے تھیر کا  
جسے دیکھو، وہی اک نقش سا معلوم ہوتا ہے  
ترا جو لفظ بھی منہ سے نکل جائے مرے حق میں  
مجھے وہ اپنی قسمت کا لکھا معلوم ہوتا ہے  
پھر آپہنچا ہوں اُس در پر جہاں لوٹا گیا تھا میں  
مرا رہزن ہی مجھ کو رہنما معلوم ہوتا ہے  
اُسی کو دیکھتے ہی دم پہ بن جاتی ہے محفل میں  
وہی جو زندگی کا آسرا معلوم ہوتا ہے  
تڑپنا، لوٹنا، رونا، مچلنا اُن کے قدموں پر  
یہ عالم سارے عالم سے جدا معلوم ہوتا ہے  
اگر دیکھو تو رشکِ صد گلستاں ہے جمال اُن کا  
جو سوچو تو جنوں کا سلسلا معلوم ہوتا ہے  
نصیر اُن کی پرستش آپ ہی تنہا نہیں کرتے  
زمانہ اُن کی صورت پر فدا معلوم ہوتا ہے



بہار آئی، بہار آنے کے دن ہیں  
کسی پر اب شباب آنے کے دن ہیں  
جوانی، اور پھر اُن کی جوانی  
ابھی تو حُسن کا نشہ چڑھا ہے  
مراد دل بھی لئے جا ساتھ قاصد!  
گیا ساقی اُلٹ کر جام و ساغر  
ابھی مجھ سے نہیں وہ بے تکلف  
جواں تم ہو، جواں ہم ہیں، جواں دل  
حیا و حُسن ہیں شانہ بہ شانہ  
ابھی بھولی نہیں ہے مجھ کو وحشت  
اُنہیں ناز و ادا سے کون روکے

یہی تو پُھول، پیمانے کے دن ہیں  
لجا کر دل کو تڑپانے کے دن ہیں  
نگاہوں میں سما جانے کے دن ہیں  
ابھی تو اُن کے اترانے کے دن ہیں  
یہ تحفہ اُن کو پہنچانے کے دن ہیں  
گراں رندوں پہ میخانے کے دن ہیں  
ابھی کچھ اور شرم مانے کے دن ہیں  
تڑپنے اور تڑپانے کے دن ہیں  
کسی کی زلف سُلجھانے کے دن ہیں  
ابھی قسمت میں ویرانے کے دن ہیں  
وہ اٹھلائیں، کہ اٹھلانے کے دن ہیں

نصیر اب فصلِ گل آئی، سنبھلیے

گریباں چاک ہو جانے کے دن ہیں



اک حشر ہے اے دل! وہ ہوئے چیں بہ جبیں تو  
ٹھہری نہ ترے پاؤں کے نیچے جو زمیں ”تو“  
کہنے کو تو کہہ دوں گا ملیں گے وہ کہیں تو  
آیا نہ انہیں میری محبت کا یقین ”تو“  
گلشن میں، بیاباں میں اُسے ڈھونڈ رہا ہوں  
بل جائے گا اک دن دلِ گم گشتہ کہیں تو  
اب اور وہ کیا حال مرا پوچھ رہے ہیں  
باتیں مری تفصیل سے قاصد نے کہیں تو  
میں جب بھی یہ کہتا ہوں ستم مجھ پہ ہوئے ہیں  
وہ صاف نگر جاتے ہیں کہتے ہیں ”نہیں تو“  
مانا کہ فلک درپے آزار رہا ہے  
شامل نظر آئی ترے کوچے کی زمیں، تو؟



جو بات مجھے کہنی ہے ، تم ہی سے کہوں گا  
میرے لئے سب کچھ ہو زمانے میں تمہیں تو  
آئے ہیں تری انجمنِ ناز میں پھر ہم  
ٹوٹی تھی کبھی برقِ ستم ہم پہ یہیں تو  
اب روک لے چلتی ہوئی تلوار کو قاتل !  
اب کون رہا ، رہ گئے بس ایک ہمیں تو  
ہر چند نظر میں کوئی منزل نہیں پھر بھی  
پہنچائے گی یہ گردشِ ایام کہیں تو  
درپردہ جو تڑپائے ہوئے ہے دلِ عالم  
ڈھونڈیں گے نصیر اُس کو ، ملے گا وہ کہیں تو

---



مرنا جینا ایک ہے اُس بلبلیِ ناشاد کا  
 جس کو اک اک موڑ پر خطرہ رہے صیاد کا  
 پوچھتے ہو حال کیا اس خانماں برباد کا  
 باغباں کی مہربانی ہے ، کرم صیاد کا  
 انعقادِ بزم ہو یا اہتمامِ ذکر ہو  
 اک طریقہ یہ بھی ہے پھڑے ہوؤں کی یاد کا  
 حشر ہے یہ حشر ، بندہ بن ، خدا کو یاد کر  
 یہ دُعا کا وقت ہے ، موقع نہیں بیداد کا  
 اب تو لے صیاد! تیرے دل میں ٹھنڈک پڑگئی  
 برق نے پھونکا نشیمنِ بلبلیِ ناشاد کا  
 زہر لب یہ مسکرا کر دیکھنا میری طرف  
 ایک پہلو یہ بھی ہے ، ظالم تری بیداد کا  
 آنسوؤں کے تار سے چاکِ گریباں تک نصیر  
 سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے اُن کی یاد کا



آغوشِ جنوں میں جا رہا ہوں      ہر غم سے نجات پا رہا ہوں  
 وہ ناؤ مجھی کو لے کے ڈوبی      جس ناؤ کا ناخدا ، رہا ہوں  
 گلشن میں کھٹک رہے تھے کانٹے      صحرا میں سکون پا رہا ہوں  
 وہ مجھ سے کہاں چھپیں گے جا کر      میں خود ہی نظر چُرا رہا ہوں  
 پوچھو نہ عذابِ راہِ منزل      کانٹوں سے گزر کے جا رہا ہوں  
 اس درجہ تو بے رُخی نہ برتو      رودادِ وفا سنا رہا ہوں  
 مطلب نہیں اور کچھ وفا سے      آئینہ انہیں دکھا رہا ہوں  
 قدموں سے لپٹ رہے ہیں رستے      اے منزلِ شوق ! آ رہا ہوں  
 محفل میں تری بُرا ہوں میں ہی      اچھا ہے کہ اٹھ کے جا رہا ہوں  
 اک آپ ، کہ میرے ہونہ پائے      اک میں ہوں ، کہ آپ کا ”رہا ہوں“

کیا شے تھی نصیرِ وحشتِ دل

میں خود سے دنوں خفا رہا ہوں



شعورِ غم ہے ، مگر شکوہِ ستم تو نہیں  
وہ اور ہو گا کوئی بیقرار ، ہم تو نہیں  
یہ اور بات ہے سب معترض ہیں ، ہم تو نہیں  
مگر ستم تو ستم ہی ہوا ، کرم تو نہیں  
زمینِ جرأتِ دیوانگی پہ لرزی ہے  
وفا کی راہ میں لرزاں مرے قدم تو نہیں  
جدا ہوا ہے تو پھر جان کی امان نہ دے  
ترے بغیر جنیں ، ہم میں اتنا دم تو نہیں  
نظر اٹھاؤ کہ ہر سو ہیں منتظر لاکھوں  
تمہارے لطف کے امیدوار کم تو نہیں  
یہ اور بات ، کہ ممنون ہوں دعا گو ہوں  
کرم کسی کا بہ اندازہ ستم تو نہیں

تری نگاہ میں ہے جستجو کا اک انداز  
تلاش جس کی رہی ہے تجھے ، وہ ہم تو نہیں؟  
فضول اپنے پرانے کو اعتراض ہوا  
محبت آپ سے ، ایسا کوئی ستم تو نہیں  
بلا کی نامہ اعمال پر ہے گل کاری  
کسی کی ہوگی عبارت ، مرا قلم تو نہیں  
یہ اور بات کہ میں ہی زباں سے کچھ نہ کہوں  
مگر حضور ستم میں کسی سے کم تو نہیں  
ہر ایک ساغرِ مے کا حساب ہے اے شیخ!  
شراب ہے کوئی ڈوبی ہوئی رقم تو نہیں  
نصیر! کس لئے آنکھیں بھر آئیں دنیا کی  
ہمارے اشک ہیں یہ ، داستانِ غم تو نہیں

---



مری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں مکیں سہی  
 وہ نگاہِ شوق سے دُور ہیں، رگِ جاں سے لاکھ قریں سہی  
 ہمیں جانِ دینی ہے ایک دن وہ کسی طرح، وہ کہیں سہی  
 ہمیں آپ کھینچے دار پر جو نہیں کوئی، تو ہمیں سہی  
 غمِ زندگی سے فرار کیا یہ سکون کیوں، یہ قرار کیا  
 غمِ زندگی بھی ہے زندگی، جو نہیں خوشی تو نہیں سہی  
 سرِ طور ہو، سرِ حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے  
 وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کہیں سہی  
 نہ ہو، اُن پہ جو مِرا بس نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں  
 میں اُنہیں کا تھا، میں اُنہیں کا ہوں، وہ مرے نہیں تو نہیں سہی

مجھے بیٹھنے کی جگہ ملے، مری آرزو کا بھرم رہے  
 تری انجمن میں اگر نہیں، تری انجمن کے قریں سہی  
 ترے واسطے ہے یہ وقف سر، رہے تا ابد ترا سنگِ در  
 کوئی سجدہ ریز نہ ہو سکے تو نہ ہو، مری ہی جہیں سہی  
 مری زندگی کا نقیب ہے نہیں دُور، مجھ سے قریب ہے  
 مجھے اُس کا غم تو نصیب ہے وہ اگر نہیں، تو نہیں سہی  
 جو ہو فیصلہ وہ سنائیے، اسے حشر پر نہ اٹھائیے  
 جو کریں گے آپ ستم وہاں، وہ ابھی سہی، وہ یہیں سہی  
 اُسے دیکھنے کی جو لو لگی تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم  
 وہ ہزار آنکھ سے دُور ہو، وہ ہزار پردہ نشیں سہی



شکلی جو آنکھ ، چمن تھا ، نہ آشیانا تھا  
نفس میں اپنے مقدر کا آب و دانا تھا  
وہ دل اڑایا جو اخلاص میں یگانا تھا  
نگاہِ یارا! بلا کا ترا نشانا تھا  
رفیق کوئی نہ تھا ، بے وفا زمانا تھا  
تمہیں تو یوں نہ مرے غم پہ مسکرانا تھا  
جہاں تو نغمہ سرا ہے وہیں پہ اے بلبل!  
کبھی چمن میں ہمارا بھی آشیانا تھا  
یہ کیا کہ غیر کو بھی درمیان لے آئے  
خود آزماتے ، اگر مجھ کو آزمانا تھا  
اڑا دیئے مرے ہوش و حواس ساقی نے  
نظر شراب نہیں تھی ، شراب خانا تھا



جو آج غیروں سے مل کر ہوئے ہیں بیگانے

وہ مہربان تھے ہم پر بھی ، اک زمانا تھا  
کہا وفا ، تو کہا ”اس کی کیا ضرورت ہے“

کہا ”خلوص“ ، کہا ”وہ تو اک بہانا تھا“

یہ دور اُن کے مرے درمیاں بھی گزرا ہے

خوشی کے دن تھے ، محبت تھی ، دوستانا تھا

یہ گوئے یار ہے منزل بھی اور مقتل بھی

نصیر ! سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا



پھکی ہے فضا ، رنگ نیا مانگ رہے ہیں  
آدابِ چمن ، خونِ وفا مانگ رہے ہیں  
اُس بُت سے وفاؤں کا صلا مانگ رہے ہیں  
اب تک جو کسی کو نہ ملا ، مانگ رہے ہیں  
سب کوچہٴ جنت کے طلب گار ہیں ، لیکن  
ہم کوچہٴ جاناں کی ہوا مانگ رہے ہیں  
کیوں بیٹھے ہیں مُنعم ترے دروازے پہ خیم کر  
پوچھے تو کوئی ان سے ، یہ کیا مانگ رہے ہیں  
ہر بندہ ہے دنیا میں اسی در کا بھکاری  
اللہ سے سب شاہ و گدا مانگ رہے ہیں  
ہے دھوم گلستاں میں اب اُن دیدہ وروں کی  
کانٹوں سے جو پھولوں کی ردا مانگ رہے ہیں

جو اُن کے پرو بال کی پرواز بڑھا دے

مرغانِ چمن ایسی فضا مانگ رہے ہیں

ہم بھی ہیں نصیر اُن کی تجلی کے بھکاری

آئینہ ہستی پہ چلا مانگ رہے ہیں

---



کام اُس کا نہ کسی ڈھب سے ، نہ تیور سے چلا  
کوئی تھامے ہوئے دل آج ترے در سے چلا  
لے کے دل اُس نے اُلٹ دی ہے بساطِ اُلفت  
چال اپنی بھی چلا وہ ، تو مرے گھر سے چلا  
چشمِ ساقی نے پلائی تو کہیں بات بنی  
کام نے کش کا نہ شیشے سے ، نہ ساغر سے چلا  
آ بھی جا ! ورنہ یہ بیمارِ شبِ ہجر نہیں  
قبر میں جا کے یہ ٹھہرے گا ، جو بستر سے چلا  
کس لئے دل کو رہِ شوق کا ساتھی نہ کہوں  
ہر قدم ساتھ دیا ، میرے برابر سے چلا  
بات تھی اُس کی کہ کلیوں کے چٹکنے کا سماں  
رنگ و آہنگ کا جھونکا سا گلِ تر سے چلا

لکھ گیا حالِ جنوں شہر کی دیواروں پر  
اک وہ فوارہ لہو کا جو مرے سر سے چلا  
قیس و فرہاد ہوں ، یا وامق و عذرا ، اب تک  
نام جس کا بھی چلا ، عشق کے دفتر سے چلا  
راہِ اُلفت میں کسی بُت سے توقع ہے فضول  
کھا گیا چوٹ وہ ، ٹکرا کے جو پتھر سے چلا  
راستے مہکے ، در و بام پہ رونق آئی  
موجہٴ بادِ سحر بن کے کوئی گھر سے چلا  
عشق کی راہ میں منزل ہے تو تسلیم و نیاز  
دو قدم چل نہ سکا ، چال جو دلبر سے چلا  
میرے گھر پر بھی نصیر آج کوئی آیا ہے  
بات قسمت سے بنی ، کام مقدر سے چلا



یہ تمکنتِ حُسن کی بانی ، نہیں رکتی  
روکے سے کسی کے بھی ، جوانی نہیں رکتی  
تدبیر سے آفت ہے جو آئی ، نہیں رکتی  
تنکوں سے تو دریا کی روانی نہیں رکتی  
جاتے ہو تو پھر گریہِ پیہم سے نہ ٹوکو  
کچھ بھی ہو ، مری اشکِ فشانہ نہیں رکتی  
جو نقش ہے دنیا میں وہ مائل بہ فنا ہے  
ہو کیسی ہی مضبوط نشانی ، نہیں رکتی  
اُس وقت تک اُٹھیں گے یہ طوفان برابر  
جب تک مرے اشکوں کی روانی نہیں رکتی  
اب صبح کے تاروں کی کرن پھوٹ رہی ہے  
روکو بھی تو اب رات سُہانی نہیں رکتی

کر دیتی ہے ماحول کو مجبورِ سماعت  
چل نکلے اگر دل کی کہانی ، نہیں رکتی  
کہہ دو، کہ جنازے پہ مرے آکے نہ روئیں  
وہ روئے تو پھر مرثیہ خوانی نہیں رکتی  
یہ آگ ہے ، بھڑکے گی نصیر اور زیادہ  
اب تو یہ مری شعلہ بیانی نہیں رکتی

---



حُسن کو جب جلال آتا ہے      آنسوں پر زوال آتا ہے  
 جو بھی صاحب جمال آتا ہے      آپ اپنی مثال آتا ہے  
 لطف ہو، لاگ ہو، لگاوٹ ہو      حُسن کو ہر کمال آتا ہے  
 آپ کو کیا، کوئی مرے کہ جیئے      آپ کو کب خیال آتا ہے  
 مسکراتی ہے دیکھ کر دنیا      جب کسی پر زوال آتا ہے  
 تم کبھی مہربان تھے ہم پر      دل میں اکثر خیال آتا ہے  
 ہے وہ اک نغمہ قلقلِ مینا      محتسب تک کو حال آتا ہے  
 کج ادائی، ادا سہی، لیکن      دل کے شیشے میں بال آتا ہے

دل لگاتے نصیرِ دنیا سے

عاقبت کا خیال آتا ہے





آہ میں یہ اثر چاہتا ہوں      اُن کو پیشِ نظر چاہتا ہوں  
گفتگو مختصر چاہتا ہوں      اُن سے ملنا مگر چاہتا ہوں  
ایک دو بار کیا گھر پہ آئے      یہ کرمِ عمر بھر چاہتا ہوں  
جو مرے دل کو کندن بنا دے      ایک ایسی نظر چاہتا ہوں  
تیرے پانے کو اے میری منزل!      زندگی بھر سفر چاہتا ہوں  
تُو مجھے اپنے دل میں جگہ دے      سر چھپانے کو گھر چاہتا ہوں  
ایک آنسو، مری داستاں ہو      بس یہی چشمِ تر! چاہتا ہوں  
اپنا اپنا مذاقِ طلب ہے      خوب سے خوب تر چاہتا ہوں

جو خبر ہو نصیر اُس طرف کی

وہ خبر معتبر چاہتا ہوں

پریشاں ہوں کیا بال و پر کے لئے      ہوئے قید ہم عمر بھر کے لئے  
 نہیں کچھ سکونِ نظر کے لئے      بہت جائزے بحر و بر کے لئے  
 کہاں ضبطِ مستی، کہاں ہا و ہو      محبت نہیں شور و شر کے لئے  
 خدا کے لئے غم میں آہیں نہ بھر      تڑپتا رہے گا اثر کے لئے  
 تمہارے تبسم کی ایک اک ادا      قیامت ہے اہلِ نظر کے لئے  
 کہاں جا رہے ہو سرِ شام تم      قدم آج اٹھے کدھر کے لئے  
 سکونِ دل و جاں لٹاتا رہا      فقط اک سکونِ نظر کے لئے  
 بلا میری فطرت کو دیوانہ پن      ترے حُسنِ دیوانہ گر کے لئے  
 کہاں میری جانب توجہ تری      ادھر کے لئے ہے، ادھر کے لئے  
 محبت میں ہم تا دمِ واپس ہیں      ترستے رہے چارہ گر کے لئے  
 قفس، دام، صیاد، گل چیں، خزاں      نصیر! اتنے غمِ مُشتِ پر کے لئے؟

نصیر اُن کا غم محترم ہے مجھے

یہ سودا ہے بس میرے سر کے لئے



عجب ہے شبِ غم کے ماروں کی دُنیا  
لرزتی ہے جن سے ستاروں کی دُنیا  
یہ بزمِ بتاں ہے نظاروں کی دُنیا  
اداؤں کی بستی ، اشاروں کی دُنیا  
صبا نے کئے چاک ، پھولوں کے دامن  
جو دیکھی ترے دل فگاروں کی دُنیا  
ہمارے لئے ہے ، تمہارے لئے ہے  
خزاں کا زمانہ ، بہاروں کی دُنیا  
انہیں کس کی پروا ، انہیں کس سے مطلب  
الگ سب سے ہے بادہ خواروں کی دُنیا  
جگر چاک ، دل چاک ، نم ناک آنکھیں  
یہ ہے آپ کے بقراروں کی دُنیا

جُنّی ہے اِس انداز سے اُس نے افشاں  
جبیں بن گئی چاند تاروں کی دُنیا  
جدھر سے گُزرتے ہیں دیوانے تیرے  
قدم چومتی ہے بہاروں کی دُنیا  
ہمیں ہے فقیری میں شاہی میسر  
کہاں ہم ، کہاں تاجداروں دُنیا  
نصیر ! اُس کو اللہ آباد رکھے  
اُجاڑی ہے جس نے ، ہزاروں کی دُنیا

---



جب مسافرِ خوگرِ رنجِ سفر ہو جائے گا  
جو قدم اُٹھے گا اُس کا ، معتبر ہو جائے گا  
دو دلوں میں کوئی سمجھوتہ اگر ہو جائے گا  
تا بہ منزل طے باسانی سفر ہو جائے گا  
جب مذاقِ دید بڑھ کر پختہ تر ہو جائے گا  
آنے میں رونا آئینہ گر ہو جائے گا  
خود اٹھا دو پردہٴ در تم ، اسی میں خیر ہے  
ورنہ دیوانہ تمہارا پردہ در ہو جائے گا  
جس گھڑی وہ مائلِ لطف و کرم ہو جائیں گے  
دل ہمارا کاسہٴ دریوزہ گر ہو جائے گا  
غم ملا ، حسرت کھٹی ، ارماں مٹے ، ہم لٹ گئے  
کیا خبر تھی ، دل کا سودا درِ دوسر ہو جائے گا

اُس نظر کا ہر اشارہ تیر سے کچھ کم نہیں

تیر بھی ایسا، ادھر سے جو ادھر ہو جائے گا

مُنتے رہتے ہیں وہ تیرا حالِ دل اکثر نصیر

اب یہ افسانہ یقیناً معتبر ہو جائے گا

---



وعدہ ہو ہزار دوستی کا  
انجام بُرا ہے دشمنی کا  
کیا حالِ مریضِ غم سنائیں  
کرتا ہوں میں اعتماد تم پر  
قاتل ہو جفا کہ شامِ فرقت  
کیا بات تھی تیری محفلوں کی  
تُو ہے ، نہ وہ تیری مہربانی  
پھر بھی ہے بھروسہ کیا کسی کا  
نیکی سے جواب دے ، بدی کا  
رخصت بھی وہ ہو چکا کبھی کا  
لو ! ہاتھ بڑھاؤ دوستی کا  
چرچا تو رہے گا آپ ہی کا  
وہ دُور کہاں ہما ہی کا  
اب فائدہ کیا ہے زندگی کا

مارے کہ جلائے ، اُس کی مرضی

بندہ تو نصیر ہے اسی کا



سائل پہ کرم طراز ہو جا      اے حُسن ! گدا نواز ہو جا  
 یوں گردِ رہِ نیاز ہو جا      گم گشتہ شہرِ راز ہو جا  
 آئینہ شرحِ ناز ہو جا      اے پردہ نشیں ! مجاز ہو جا  
 سر تا بہ قدم نیاز ہو جا      ”محمود نہ بن ، ایاز ہو جا“  
 یہ خواب نوازیں کہاں تک      اے دیدہ ناز ! باز ہو جا  
 اتنی تو ابھر سیاہی غم !      عنوانِ شبِ دراز ہو جا  
 پردہ ہے یہ فرقِ عبد و معبود      بیگانہ امتیاز ہو جا  
 حق گو ہے اگر، ثبوت بھی دے      جا ! دار پہ سرفراز ہو جا  
 دل میں بھڑکا کر آتشِ غم      آہن کی طرح گداز ہو جا  
 نین اُن سے بلا کے دیکھ اے دل !      کونین سے بے نیاز ہو جا

کوچے میں نصیر اُن کے جا کر

سُلطانِ سریرِ ناز ہو جا





دل کسی سے اٹک نہیں سکتا      اب دوبارہ بھٹک نہیں سکتا  
 اُن کی مرضی نہ ہو، تو گلشن میں      کوئی غنچہ چٹک نہیں سکتا  
 ضعف کا حال ہے یہ زنداں میں      سر بھی کوئی پٹک نہیں سکتا  
 ہیں دل و جاں، کسی سے وابستہ      اب وہ دامن جھٹک نہیں سکتا  
 رکھ دو سینے پہ تم جو پھول سا ہاتھ      خارِ حسرت کھٹک نہیں سکتا  
 اب وہ آجائیں میری بالیں پر      دم زیادہ اٹک نہیں سکتا  
 کوئی مُرجھائے گا، کھلے گا کوئی      غنچہ غنچہ چٹک نہیں سکتا  
 مستعد میرِ کارواں ہو، اگر      کوئی رہِ رُو بھٹک نہیں سکتا  
 اُس کو عرفانِ حق کا دعویٰ ہو؟      دار پر جو لٹک نہیں سکتا

ہو ملاقات کیا نصیر اُن سے

پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا



میں ہوں پابندِ رسمِ ادب ، کیا کہوں  
اپنی بربادیوں کا سبب کیا کہوں  
پوچھتے ہیں وہ مجھ سے مرا حالِ دل  
یہ بتائے کوئی ، اُن سے اب کیا کہوں  
ماجرائے وفا ہے قیامت نما  
جو کہا ، اتنا کافی ہے ، سب کیا کہوں  
آپ ہی کو سنانا تھی رُودادِ غم  
آپ سنتے نہیں ہیں ، تو اب کیا کہوں  
ایک دو ہوں تو اُن کو گنائے کوئی  
مجھ پہ ٹوٹے ہیں جو جو غضب ، کیا کہوں  
اُن کو ضد ہے کہ تیری سنیں گے نہ ہم  
ہائے اب کیا کروں ، ہائے اب کیا کہوں

گفتگو کی اجازت نہیں عشق میں  
سی گیا ہے کوئی میرے لب، کیا کہوں  
حشر میں وہ مرے سامنے آ گئے  
سوچتا ہوں نصیر! اُن سے اب کیا کہوں

---



بے وفائی کا گلہ ، شکوہ بیداد نہیں  
بات اتنی ہے کہ اب طاقتِ فریاد نہیں  
مجھ سے مت پوچھ، کہ کیا تُو نے کیا، کیا نہ کیا  
اس قدر تیرے ستم ہیں کہ مجھے یاد نہیں  
تیرے کوچے کی بڑی دُھوم ہے سفاکی میں  
ذرہ وہ کون سا ہے ، جو ستم ایجاد نہیں  
بال و پر نوج کے آزاد کیا ہے مجھ کو  
یہ عنایت ہے؟ تو ظالم مرا صیاد نہیں  
اک قیامت ہیں، زمانے کے بدلتے تیور  
کل جو آباد تھا گھر، آج وہ آباد نہیں  
حلقہٴ زلف کے قیدی کا خدا ہی حافظ  
یہ ہے وہ قید کہ جس کی کوئی میعاد نہیں

دشمن و دوست نمایاں ہیں، تری محفل میں  
کوئی پابند نہیں ہے، کوئی آزاد نہیں  
بھولے ہم دونوں ہی افسانہ محبت کا نصیر!  
کل اُنہیں یاد نہ تھا، آج ہمیں یاد نہیں

---



دُو بُدُو اُن سے ، رات ہو ہی گئی

شرحِ ذات و صفات ہو ہی گئی

کامیاب اُن کی گھات ہو ہی گئی

جو نہ ہونی تھی بات ، ہو ہی گئی

اُن کی آمد بنی نویدِ سحر

شبِ غم سے نجات ہو ہی گئی

اُن کو ضد تھی کہ حالِ دل نہ کہوں

باتوں باتوں میں بات ہو ہی گئی

ہم نہ تھے غم سے ہارنے والے

مات ہونی تھی ، مات ہو ہی گئی

جو گریزاں رہے نصیر ! آخر

ایک دن ، اُن سے بات ہو ہی گئی



خدا شاہد کہ ندرت آفریں ہاتھوں سے کھینچی ہے  
تری تصویر جس نے اے حسین! ہاتھوں سے کھینچی ہے  
نظر آتا ہے کیوں مسکا ہوا سا تار تار آخر  
کسی نے کیا تمہاری آستیں، ہاتھوں سے کھینچی ہے؟  
کیا یہ حشر اُس ظالم نے ارمانوں کی میت کا  
کہیں پیروں سے روندی ہے، کہیں ہاتھوں سے کھینچی ہے  
کہاں ہیں اُن کی اس تصویر میں وہ ناز کے تیور  
مُصوّر! تُو نے یہ دل سے نہیں، ہاتھوں سے کھینچی ہے  
ادا سجدہ ہوا بے ساختہ یوں اُن کی چوکھٹ پر  
کسی نے جیسے خود میری جہیں ہاتھوں سے کھینچی ہے  
سُلگتی ہیں نگاہیں، دل پُھنکا، لودے اٹھیں آنکھیں  
تری تصویر کس نے آتشیں ہاتھوں سے کھینچی ہے

مرے سینے پہ رکھ کر ہاتھ ، قابو میں کیا دل کو  
مری دولت اداؤں سے نہیں ، ہاتھوں سے کھینچی ہے  
کھڑے تھے دست بستہ ہم نصیران کی حضوری میں  
شبیبہ عجز محفل میں انہیں ہاتھوں سے کھینچی ہے

---





ماکلِ لطف ، طبیعت کبھی ایسی تو نہ تھی  
آپ کو مجھ سے محبت کبھی ایسی تو نہ تھی

آج بے وقت کدھر آپ نکل آئے ہیں  
آپ کو میری ضرورت کبھی ایسی تو نہ تھی

حال پر میرے توجہ ، مری ہر بات پہ جی  
اب جو ہے مجھ پہ عنایت کبھی ایسی تو نہ تھی

اب تو ہر وقت ہی ماتھے پہ شکن رہتی ہے  
آنہ دیکھئے ! صورت کبھی ایسی تو نہ تھی

کچھ تو ہے آپ کے اندازِ ستم کا باعث  
آئے دن شکوہ شکایت کبھی ایسی تو نہ تھی

ہجر میں آپ نے اک عُمر گزاری ہے نصیر !  
بے قراری کی یہ حالت کبھی ایسی تو نہ تھی



قدم قدم پہ نظر سے، ترے نشاں گزرے  
 ہم اپنے ساتھ لئے ایک کارواں گزرے  
 ترے بغیر جو اے میرے مہرباں! گزرے  
 خدا گواہ! وہ لمحے بہت گراں گزرے  
 عجیب سحر ہے ظالم کے رکھ رکھاؤ میں  
 جفا کرے تو وفا کا مجھے گماں گزرے  
 انہیں کے سوگ میں روتی ہے رات بھر شبِ بنم  
 وہ گل جو باغ سے بے نام و بے نشاں گزرے  
 تمہاری یاد میں اکثر جو ہم نے جھیلے ہیں  
 تمہارے دل پہ وہ صدے ابھی کہاں گزرے  
 ہمارے غم کی کسی نے جھلک نہیں دیکھی  
 مگر وہ اشک، جو آنکھوں سے ناگہاں گزرے  
 نصیر! دار و رسن کا مطالبہ ہے یہی  
 جو اُن کی راہ سے گزرے، وہ بے زباں گزرے



اُن کی محفل ہے ، یہاں رنگِ دکھا اور بھی کچھ  
اے دلِ داد طلب ! رقص میں آ اور بھی کچھ  
خون آنکھوں سے بہانا ہے پُرانا کرتب  
شعبدے اُن کو ذرا کھل کے دکھا اور بھی کچھ  
جب بھی دیکھوں ، مجھے دُشنام دیا کرتے ہو  
بات آتی ہے تمہیں اس کے سوا اور بھی کچھ؟  
صرف پھولوں کی صباحت پہ نہیں میری نظر  
کہہ گئی ہے مرے کانوں میں صبا اور بھی کچھ  
مجھ کو تسلیم تری سحر بیانی قاصد !  
صرف باتیں نہ بنا ، کامِ دکھا اور بھی کچھ  
آگِ دب جائے ، ذرا سینے میں ٹھنڈک تو پڑے  
مجھے کہہ لیجئے سرکار ! بُرا اور بھی کچھ

سادگی تو مرے رہزن کی یہ دیکھے کوئی  
نوٹ کر پوچھ رہا ہے کہ بچا اور بھی کچھ؟  
عام لوگوں کی زباں پر شرِ خوباں ہی نہیں  
کہہ رہی ہے تجھے مخلوقِ خدا اور بھی کچھ  
جب بھی ساتی نے مجھے پوچھ لیا ہنس کے نصیر  
چوم کر جامِ وہیں میں نے کہا اور بھی کچھ

---



خاک و عدوں پہ ڈالتے جاؤ تم ہمیں روز ، ٹالتے جاؤ  
 میرے گھر آؤ تو سہی اک بار دل کی حسرت نکالتے جاؤ  
 پھول بھی ہیں چمن میں ، کانٹے بھی دامنِ دل سنبھالتے جاؤ  
 عشق کرنا ، نہیں گناہ ، مگر روگ ہے ، روگ پالتے جاؤ  
 بعض لوگوں کا ہے یہی دستور سب پہ کیچڑ اچھالتے جاؤ  
 شیخ صاحب ! کہاں چلے ، ٹھہرو اپنا ساغر کھنگالتے جاؤ  
 ہم تمہارے ہنر سے واقف ہیں عیب ہم میں نکالتے جاؤ  
 ہو گیا خاک ، چاہنے والا آؤ ! مٹی تو ڈالتے جاؤ  
 کیا بھروسہ ہے زندگی کا نصیر  
 دل کے ارماں نکالتے جاؤ



یوں محبت میں شب و روز گزارے ہم نے  
نام لے لے کے ترا، صدقے اتارے ہم نے  
ہم بھلا دیں تمہیں، یہ بات بہت مشکل ہے  
یاد کر رکھے ہیں، احسان تمہارے، ہم نے  
اُن پہ عائد جو ہوئے پیشِ خدا، حشر کے دن  
اپنے سر لے لئے الزام وہ سارے ہم نے  
لطف تو جب ہے اسی لہر پہ بہتے جائیں  
عہد جو کچھ کئے دریا کے کنارے ہم نے  
ملتفت ہی نہ ہوا کوئی ہماری جانب  
گو نصیر آج کیسے لاکھ اشارے ہم نے



اب ترے طالبِ دیدار گزارا ہی کریں  
 تیری تصویر ، تصور میں اتارا ہی کریں  
 التجا ہے کہ یہ زحمت وہ گوارا ہی کریں  
 بات کرنی نہیں آتی تو اشارا ہی کریں  
 خود غرض لوگ ، وفادار نہیں ہو سکتے  
 ایسے ویسوں سے حضور ! آپ کنارا ہی کریں  
 قابلِ ذکر ہیں کچھ اور بھی دنیا کے حسیں  
 کیا ضروری ہے کہ ہم ذکر تمہارا ہی کریں  
 میکدے میں جو چلے آئے تو رندی بھی سہی  
 شیخ جی ! اب یہ خرافات گوارا ہی کریں  
 اُس نے شکووں سے ہمیں روک دیا یہ کہہ کر  
 اپنی پروا نہیں ، کچھ پاس ہمارا ہی کریں  
 وہ تو دنیا سے گیا ، لوٹ کے آنے سے رہا  
 اب وہ بیمارِ محبت کو پکارا ہی کریں  
 قُرب ممکن نہیں محفل میں نصیر ، اُن کا اگر  
 دُور سے بیٹھ کے صورت کا نظارا ہی کریں



طیش میں دورِ خزاں پاؤں پٹکتا ہی رہا  
 پُھول کھلتے ہی رہے ، غنچہ چٹکتا ہی رہا  
 گل کی تقدیر سے وابستہ رہی ایک خلش  
 دیدہ خار میں ہر دم وہ کھٹکتا ہی رہا  
 دل کو حاصل نہ ہوئی منزلِ آرام و سکون  
 اک مسافر تھا کہ رستے میں بھٹکتا ہی رہا  
 خاک بن بن کے قبا سے وہ لپٹنا میرا  
 جیب و داماں کو وہ ہر چند جھٹکتا ہی رہا  
 ایک تم تھے کہ خدائی نے سراہا تم کو  
 ایک میں تھا کہ نگاہوں میں کھٹکتا ہی رہا  
 رات میخانے سے پی کر ہی ٹلا واعظِ شہر  
 جام جب تک نہ بلا اُس کو ، مٹکتا ہی رہا



گام دو گام سے آگے تو نہ تھی محفلِ ناز  
تیرا دیوانہ کھڑا پاؤں پٹکتا ہی رہا  
لاکھ تدبیر نصیر اہلِ جہاں کر بیٹھے  
غم کا گجرا مری گردن میں لٹکتا ہی رہا

---



لوگ دنیا میں پُراسرار نظر آتے ہیں  
ہو کے مجبور بھی ، مختار نظر آتے ہیں  
شوخی ، طرز ، طرحدار نظر آتے ہیں  
وہ بھی کیا کیا دمِ گفتار نظر آتے ہیں  
سربکف اُن کے خریدار نظر آتے ہیں  
لوگ سر دینے پہ تیار نظر آتے ہیں  
اُن کو انگڑائی پہ انگڑائی چلی آتی ہے  
میرے لٹ جانے کے آثار نظر آتے ہیں  
ترک ہے محفلِ احباب میں آنا جانا  
آج کل سب سے وہ بزار نظر آتے ہیں  
اب جگر میں نہ کوئی پھانس، نہ دل میں ہے خلش  
اُجڑے اُجڑے سے یہ بازار نظر آتے ہیں

کوئی پوچھے ، تو یہی ایک پتہ ملتا ہے  
اُن کے عشاق سرِ دارِ نظر آتے ہیں  
اب تو پردے کا یہ عالم کہ الٰہی توبہ  
صرف دن بھر میں وہ اک بار نظر آتے ہیں  
بات ہے اُن کی مری، کام ہے کیا اوروں کا  
لوگ کیوں بیچ میں دیوارِ نظر آتے ہیں  
در پہ خورشیدِ سحر بہرِ سلام آیا ہے  
خوابِ راحت سے وہ بیدار نظر آتے ہیں  
اللہ اللہ نصیر اُن کی تجلی کا اثر  
ذرے ، آمینہٴ اسرارِ نظر آتے ہیں

---



کہہ گیا اُن سے اپنے دھیان میں کیا  
خون کے سحر کار چند آنسو  
اک تصور سے اُس کے ہے روشن  
آج کے آدمی سے ظاہر ہے  
معتبر اُن کی ہر ادا ٹھہری  
زندگی آپ سے عبارت تھی  
کیوں نہ پہنچے گا باہم جاناں تک  
قصہ غم وہ کیوں نہیں سُنتے  
میرا اُن کا یہ فاصلہ تو نہ تھا  
دفعۃً آپ ہو گئے برہم  
مجھ سے تم بات کیوں نہیں کرتے

ہو گئیں خاک حسرتیں دل کی

اے نصیر اب ہے اس مکان میں کیا



دورِ لالہ زار تک ہے یہ سماں ، بہار تک ہے  
 گردنوں میں یہ تناؤ صرف اقتدار تک ہے  
 کس پہ ، کس لیے ، پڑے کب یہ خدا کی مار تک ہے  
 پھانس لے مجھے کہ چھوڑے حُسنِ دل شکار تک ہے  
 میری مان لے ، نہ مانے یہ مزاجِ یار تک ہے  
 اعتبارِ آدمی کا اپنے اعتبار تک ہے  
 وہ خدا کرے نہ آئیں لُطف ، انتظار تک ہے  
 میں کہاں ہوں دیکھ لو گے تیرگی ، غبار تک ہے  
 میل جول آج کل کا حدِ کاروبار تک ہے  
 سچ کا ہولناک رستہ کربلا سے دار تک ہے  
 ماجرا تو کہہ سناؤں بات اعتبار تک ہے

اے نصیر ! ڈور اپنی  
 آستانِ یار تک ہے



دل کی دھڑکن کہ جاں سے آتی ہے  
اُن کی خوشبو، کہاں سے آتی ہے  
حدِ اوہام سے گزر کے کھلا  
خوش یقینی، گُماں سے آتی ہے  
جراتِ بندگی رتِ جلیل  
بُت شکن کی ازاں سے آتی ہے  
ایسی طاقت کہ جو نہ ہو تسخیر  
دل میں عزمِ جواں سے آتی ہے  
اُن کی آواز میرے کانوں میں  
آ رہی ہے، جہاں سے آتی ہے  
سر کو توفیقِ سجدہ کرنے کی  
یار کے آستاں سے آتی ہے

آدمیت وہاں نہیں ہوتی  
کبر کی بُو جہاں سے آتی ہے  
وقت کیسا قیامتی ہے آج  
دھوپ اب سائباں سے آتی ہے  
رات پڑتے ہی کچھ نہیں کھلتا  
یادِ جاناں کہاں سے آتی ہے  
آدمی میں جمالیاتی جس  
قُربتِ مہ و شاں سے آتی ہے  
دو قدم چل کے تم نہیں آتے  
چاندنی آسماں سے آتی ہے  
زندگی میں نصیر ! آسانی  
ترکِ سُود و زیاں سے آتی ہے  
یادِ فن کے اساتذہ کی نصیر  
تیرے طرزِ بیاں سے آتی ہے

---



اُجڑ گیا ہے چمن ، لوگ دلفگار چلے  
کوئی صبا سے کہو اب نہ بار بار چلے  
یہ کون سیر کا ارماں لئے چمن سے گیا  
کہ بادِ صبح کے جھونکے بھی سوگوار چلے  
یہ کیا کہ کوئی بھی رویا نہ یاد کر کے اُنہیں  
وہ چند پُھول جو حُسنِ چمن نکھار چلے  
نقاب اُٹھا کہ پڑے اہلِ درد میں ہلچل  
نظر ملا کہ چھری دل کے آر پار چلے  
خوشا کہ در پہ ترے سر جُھکا لیا ہم نے  
یہ ایک قرضِ جہیں تھا جسے اُتار چلے  
کہے جو حق وہ کرے کیوں مآلِ حق سے گریز  
کوئی چلے نہ چلے ہم تو سُوئے دار چلے



اب اس کے بعد چمن جانے یا صبا جانے  
گزار نے تھے ہمیں چار دن ، گزار چلے  
پلٹ کے دیکھانہ اک بار کارواں نے ہمیں  
گرے پڑوں کی طرح ہم پسِ غبار چلے  
جو اُن کی یاد میں چمکے کبھی سرِ مرگاں  
وہ چار اشک مری عاقبت سنوار چلے  
کسی کی یاد سے تسکینِ جاں ہے وابستہ  
کسی کا ذکر چلے اور بار بار چلے  
تمہاری بزم سے تاثیر اُٹھ گئی شاید  
بحالِ زار ہم آئے ، بحالِ زار چلے  
غریبِ شہر کی میت کے ساتھ روتا کون  
مرا سلام ہو اُن پر جو اشکبار چلے  
قفس میں روز دکھاتا ہے اشیاں صیاد  
نصیر آگ لگا دوں جو اختیار چلے

---



کہہ دو ہٹ جائیں میری راہوں سے  
کیا غرض مجھ کو کج کلاہوں سے  
اتفاقاً مرا دلِ مضطر  
بچ گیا آپ کی نگاہوں سے  
شیشہ و جام کی ضرورت کیا  
تم پلاؤ اگر نگاہوں سے  
سوزِ غم نے جلا دیا دل کو  
جل گیا رات دن کی آہوں سے  
رحمتیں اُس کی دیکھ کر انساں  
باز آتا نہیں گناہوں سے

کانپتے ہیں دل و جگر دونوں  
آپ سے ، آپ کی نگاہوں سے  
غم کی راہیں سفر کا حصہ ہیں  
کیا بچے کوئی غم کی راہوں سے  
جن سے لوٹا تھا تم نے دل میرا  
دیکھ لو پھر انہیں نگاہوں سے  
ہم پریشان ہیں محبت میں  
خیر خواہی سے ، خیر خواہوں سے  
وہ کہیں کا نہیں خدا کی قسم  
گر گیا جو تری نگاہوں سے  
تیں سوالی ہوں اے نصیر ان کا  
کام کیا مجھ کو بادشاہوں سے

---



مری نظر سے مکمل بہار گزری ہے  
کہ مُسکراتی ہوئی شکلِ یار گزری ہے  
غم و الم کے، اذیت کے، کرب زاروں میں  
تڑپ تڑپ کے شبِ انتظار گزری ہے  
نفسِ نفس پہ چُھن تھی قدم قدم پہ خلش  
تمامِ عمرِ سرِ نوکِ خار گزری ہے  
نفس میں حال نہ پوچھا صبا نے آ کے کبھی  
مرے قریب سے بیگانہ وار گزری ہے  
سکونِ دل نہ میسر ہوا زمانے میں  
نصیرِ زیست بڑی بے قرار گزری ہے



اُن کے جلووں نے عجب رنگ جما رکھا ہے  
بزمِ کونین کو دیوانہ بنا رکھا ہے  
نبضِ ساکت ہوئی ، دمِ تھنچ کے لبوں پر آیا  
اب جو آؤ بھی تو بیمار میں کیا رکھا ہے  
شاید آپہنچیں دمِ نزع وہ بالیں پہ مری  
ملکِ الموت کو باتوں میں لگا رکھا ہے  
اب تو پردے سے نکل چاند سی صورت والے !  
شبِ فرقت نے اک اندھیر مچا رکھا ہے  
تیرے اندازِ نظر دیکھنے آ جاتا ہوں  
ورنہ میرے لئے میخانے میں کیا رکھا ہے

آئینہ حُسن میں تحلیل نہ ہو جائے کہیں  
تیری تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے  
تیرے قُرباں ، تری اُس یاد کے لمحے پہ نثار  
جس نے شب بھر مجھے مصروف دُعا رکھا ہے  
کیا نصیر آنکھ اُٹھے ساغر و مینا کی طرف  
اُن کی آنکھوں نے مجھے مست بنا رکھا ہے

---



کسی کافر کو نہ دیں دار کو اپنا کرنا  
ایک لمحے کے لئے یار کو اپنا کرنا  
عشق میں قرب کا ارمان بھی کیا ارماں ہے  
سائے کو چھوڑنا ، دیوار کو اپنا کرنا  
ہمیں بھولی نہیں اب تک وہ وفا کی چالیں  
یاد ہے اُس بُتِ عتیار کو اپنا کرنا  
کرچیاں پھننا سدا اپنے انا پیکر کی  
اپنے ٹوٹے ہوئے پندار کو اپنا کرنا  
اُس کی بانہوں کے سہارے کی تمنا، جیسے  
دھوپ میں سایہ دیوار کو اپنا کرنا  
تُو ہی وہ یوسفِ دوراں ہے کہ آتا ہے جسے  
اک جھلک میں بھرے بازار کو اپنا کرنا

اپنے ہو کر بھی یہ اپنے نہیں بنتے ، اپنے  
ہو سکے تو دلِ اغیار کو اپنا کرنا

وہ تو اک بات تھی ، ہم جس پہ اڑے بیٹھے ہیں  
ورنہ آتا ہے ہمیں یار کو اپنا کرنا

دل کے بدلے میں جو دل مانگے تو پھر ، بسم اللہ  
جنسِ اُلفت کے خریدار کو اپنا کرنا

پاکبازوں کا ہمالے گیا زعمِ تقویٰ  
یہ ترا مجھ سے گنہگار کو اپنا کرنا  
لاکھ اندھوں کی خجالت سے کہیں بہتر ہے

صرف اک دیدۂ بیدار کو اپنا کرنا  
نازِ بے جا نہ اٹھانا کسی اہلِ زر کے

کسی مفلس کے دلِ زار کو اپنا کرنا  
غمِ فرقت میں تڑپنا ہے مقدر اپنا

اپنی قسمت میں کہاں یار کو اپنا کرنا

روزِ مرہ کا یہ ہے کھیلِ نصیرِ اُن کے لئے

ایک دو باتوں میں دو چار کو اپنا کرنا





ہر طرف سے جھانکتا ہے رُوئے جانانہ مجھے  
 محفلِ ہستی ہے گویا آئینہ خانہ مجھے  
 اک قیامت ڈھائے گا دنیا سے اُٹھ جانا مرا  
 یاد کر کے روئیں گے یارانِ میخانہ مجھے  
 دل ملاتے بھی نہیں دامن چھڑاتے بھی نہیں  
 تم نے آخر کیوں بنا رکھا ہے دیوانہ مجھے  
 یا کمالِ قُرب ہو یا انتہائے بُعد ہو  
 یا نبھانا ساتھ یا پھر بُھول ہی جانا مجھے  
 اُنگلیاں شب زادگانِ شر کی اُٹھنے لگیں  
 میرے ساقی دے ذرا قندیلِ میخانہ مجھے  
 تو ہی بتلا اس تعلق کو بھلا کیا نام دوں  
 ساری دنیا کہہ رہی ہے تیرا دیوانہ مجھے

جسکے سناٹے ہوں میری خامشی سے ہم کلام

کاش مل جائے نصیرِ اک ایسا ویرانہ مجھے



شعرِ حضرتِ سعدی شیرازی

بزپور ہا بیا رایند وقتے خوبرویاں را  
تو سیمیں تن چُناں خوبی کہ زیور ہا بیارائی

منظوم ترجمہ از نصیر

حسینوں کے بدن کی وجہ آرائش تو ہیں زیور  
مگر آرائشِ زیور کا باعث ہے بدن تیرا



شعرِ مولانا گرامی جالندھری

خموشی با تکلم در ستیزہ  
تبتم در میانش ریزہ ریزہ

منظوم ترجمہ از نصیر

ٹھنی ہے گفتگو کی اور خاموشی کی آپس میں  
پسا جاتا ہے بے چارہ تبتم، درمیاں ہو کر



رباعی از

حضرت ابوسعید ابوالخیرؓ

مردانِ خدا میل بہ ہستی نکلند  
خود بینی و خویشتن پرستی نکلند  
آنجا کہ مجرّدانِ حق مے نوشند  
خمخانہ تہی کنند و مستی نکلند

منظوم ترجمہ از نصیر

مردانِ خدا رغبتِ ہستی نہیں کرتے  
یہ لوگ کبھی نفس پرستی نہیں کرتے  
پیتے ہیں جہاں اہلِ صفا بادۂ عرفاں  
میخانہ بھی پی جائیں تو مستی نہیں کرتے



### شعرِ حضرتِ بیدل

نخن باشد دلیلِ زندگی روشن خیالوں را  
غمِ مُردن ندارد شعلہٴ ما، تا زباں وارد

### منظوم ترجمہ از نصیر

کلامِ روشن خیال لوگوں کا اُن کی بُرہانِ زندگی ہے  
نہیں بُوچھے گا ہمارا شعلہ، ہے جب تک اس کی زبان باقی



### شعرِ حضرتِ مولانا جامیؒ

بندۂ عشق شدی ترکِ نَسبِ کُن جامی !  
کہ دریں راہ، فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

### منظوم ترجمہ از نصیر

بندۂ عشق ہے جامی ! نَسبی کبر کو چھوڑ  
کہ فلاں ابنِ فلاں کچھ نہیں اس رستے میں

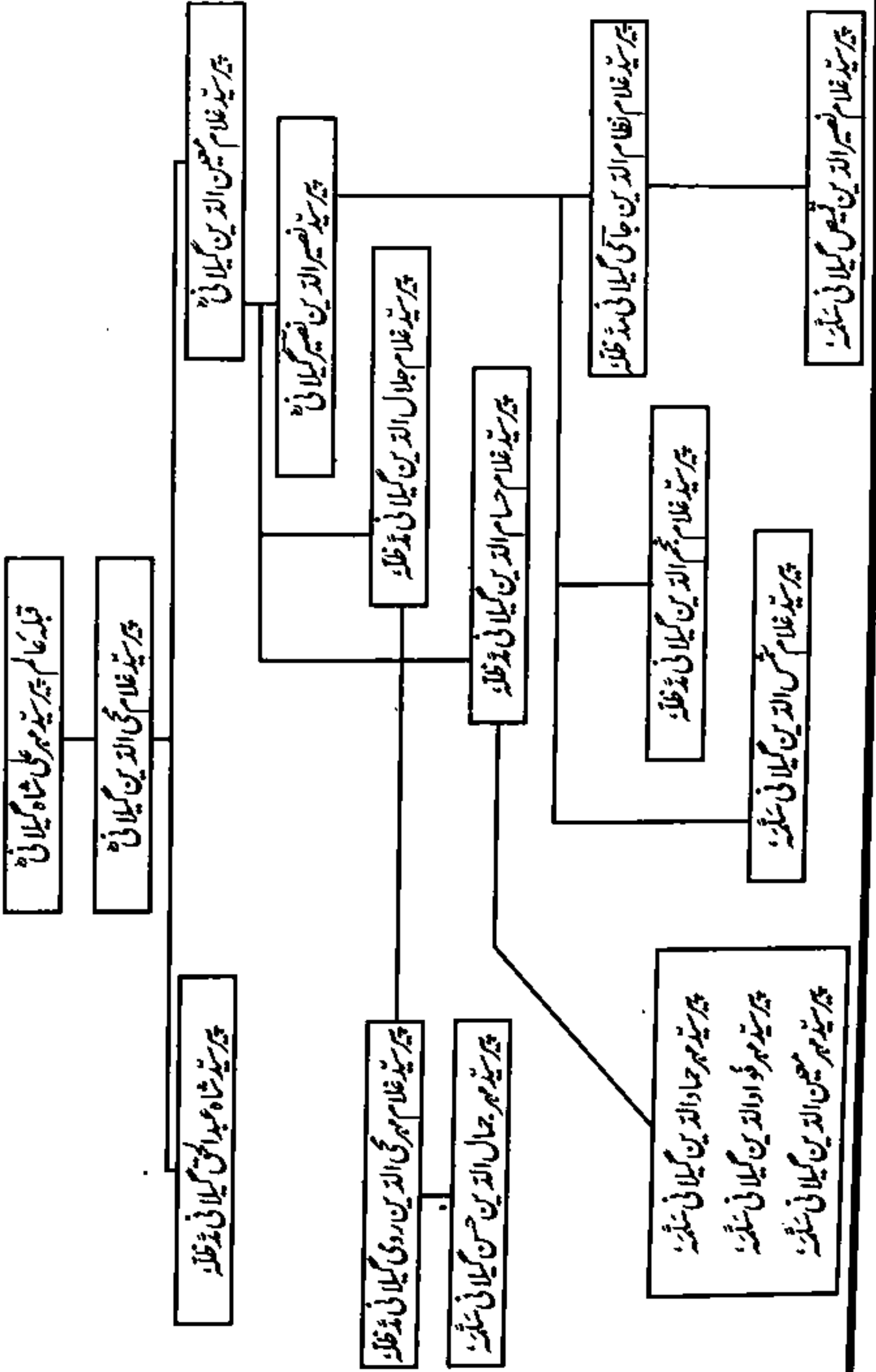
شعرِ حضرتِ بیدلؒ

در زندگی مطالعهٔ دل غنیمت است  
خواہی بخوان و خواہ مخواں، مانوشته ایم

منظوم ترجمہ از نصیر

حیات میں ہے غنیمت مطالعۂ دل کا  
کوئی پڑھے نہ پڑھے، ہم نے داستاں لکھ دی

## شجرہٴ مہر یہ معینہ



# گولڑہ شریف میں انعقاد پزیرا سراس کی تواریخ

بترتیب اسلامی مہینے

حضرت پیر  
سید مہر علی شاہ گولڑوی  
29-30  
صفر المظفر

حضرت پیر  
سید نصیر الدین نصیر گیلانی  
17-18  
صفر المظفر

شیخ الشیخ پیران پیر  
حضرت  
شیخ عبدالقادر جیلانی  
9-10-11  
ربیع الثانی

حضرت پیر  
سید غلام معین الدین  
العرف لالہی  
2-3  
زیقعد

حضرت پیر  
سید غلام محی الدین  
العرف بابوٹی  
1-2  
جمادی الثانی

# مقالاتِ نصیر

- 1:- لفظ اللہ کی تحقیق (مٹاشیانِ راہِ حق کے لیے سامانِ تحقیق) مطبوعہ
- 2:- قرآن مجید کے آدابِ تلاوت (قرآن مجید کی رفعت و عظمت، قلوب و اذہان میں جاگزیں کرنے والا رسالہ) مطبوعہ
- 3:- آئینہ شریعت میں ہمیری مریدی کی حیثیت (فلسفہ بیعت پر مبنی ایک دلچسپ مقالہ) مطبوعہ
- 4:- ہیرانِ ہمیری کی شخصیت سیرت اور تعلیمات (ایک ایمان افروز اور شرک سوز مقالہ) مطبوعہ
- 5:- الجواہر التوحیدیہ فی تعلیمات النوشیہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعلیمات کی روشنی میں عقیدہ توحید پر سیر حاصل بحث مطبوعہ
- 6:- موازنہ علم و کرامت (مقامِ علم ٹھکانے والوں کے لیے تازیانہ عبرت) مطبوعہ
- 7:- کیا ایلیمس عالم تھا؟ (اربابِ علم و اصحابِ تحقیق کے لیے پیغامِ مباحث) مطبوعہ
- 8:- اسلام میں شاعری کی حیثیت (ایک انوکھا اور اچھوتا تحقیقی مقالہ) مطبوعہ
- 9:- مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب مطبوعہ
- 10:- پاکستان میں زلزلے کی جاہِ کاریاں (اسباب اور تجاویز) مطبوعہ
- 11:- فتویٰ نویسی کے آداب (طالبانِ تحقیق کے افادہ کے لیے ایک تحقیقی مقالہ) مطبوعہ
- 12:- پنجابی کلام (درنگِ ابیات - حضرت سلطان باحو) مطبوعہ



# تصانیفِ نصیر



- 1:- نام و نسب (سیادتِ غوثِ پاکؒ کے تحقیقی ثبوت، نکاحِ سیدہ کی شرعی حیثیت اور شیعہ و خوارج کے عقائد کا تفصیلی جائزہ) مطبوعہ
- 2:- راہ و رسم منزل ہا (تصوف اور عصری مسائل پر سیر حاصل بحث) مطبوعہ
- 3:- امام ابوحنیفہؒ اور ان کا طرزِ استدلال (امام الأئمہ، سراج اللامہ کے علمی و فقہی مقام و مرتبہ کا بیان) زیر طبع
- 4:- اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت (اثبات توحید و ردِ شرک کے لیے دلائلِ قاطعہ) مطبوعہ
- 5:- لطمۃ الغیب علی ازالۃ الزیغ (حضرت پیرانِ پیرؒ کے گستاخوں کے منہ پر غیبی طمانچہ) مطبوعہ
- 6:- رنگِ نظام (قرآن و حدیث کی روشنی میں اردو مجموعہ رباعیات) مطبوعہ
- 7:- دیں ہمہ اوست (عربی، فارسی، اردو اور پنجابی نعتیں) مطبوعہ
- 8:- فیضِ نسبت (عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں مناقب) مطبوعہ
- 9:- آغوشِ حیرت (فارسی رباعیات) مطبوعہ
- 10:- بیانِ شب (اردو غزلیات کا پہلا مجموعہ) مطبوعہ
- 11:- دستِ نظر (اردو غزلیات کا دوسرا مجموعہ) مطبوعہ
- 12:- عرشِ ناز (فارسی، اردو، پوربی، پنجابی اور سرائیکی میں متفرق کلام) مطبوعہ
- 13:- الزُّبَاعِيَاتُ الْمَدْحِيَّةُ فِي حَضْرَةِ الْقَادِرِيَّةِ (فارسی رباعیات در شانِ حضرت پیرانِ پیرؒ) مطبوعہ
- 14:- ظَرْيُقُ الْفَلَّاحِ فِي مَسْئَلَةِ الْكُفْرِ لِلنِّكَاحِ (نکاحِ سیدہ با غیر سیدہ کی شرعی حیثیت) مطبوعہ
- 15:- متاعِ زیستِ آخری متفرق کلام (حمدیہ، نعتیہ، مناقب، غزلیات، رباعیات) مطبوعہ